الردُّ البليغ
علىٰ
من انکر حیاتُ المسیح

باحکم

مولانا صاحبزادہ سہیل باوا

مترجمہ

بنتِ مُحب اللہ

پاکستان

شائع کردہ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

حضور ﷺ کو خاتم النبیین کہا جاتا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا، کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، کسی نئے نام کا اضافہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں نہیں ہو سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے کے نبی ہیں نہ یہ کہ آپ کو اب نبوت ملے گی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا بشمول جسم عنصری زندہ آسمان پر اٹھایا جانا، آپ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ ہونا اور آپ کا بنفس نفیس آخری زمانہ میں دوبارہ زمین کی طرف لوٹ آنا، آپ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعۃ مطہرہ کی پیروی کرنا، دجال کا خاتمہ کرنا، زمین پر عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرنا یہاں تک کہ آپ کی حیات مبارکہ طبعی و قدرتی موت کے ذریعہ اختتام پذیر ہو جائے گی، امت مسلمہ کا متفق علیہ عقیدہ ہے جو تواتر سے ثابت ہے۔ نصوص قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی بڑی تعداد اسی عقیدے کو ثابت کرتے ہیں۔ اس عقیدے کو دل و جان سے قبول کرنا ضروریات دین میں سے ہے، جس شخص نے اس کا انکار کیا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

البتہ پچھلے دو صدیوں سے اس عقیدے کے حوالے سے شبہات، اشکالات، اور اعتراضات اٹھائے جارہے ہیں۔ یہ اعتراضات کبھی سائنسی رنگ میں کئے جاتے ہیں، کہ ایک انسان کا بشمول جسم عنصری کے آسمان میں سینکڑوں سال زندہ رہنا کس طرح ممکن ہے؟ ایسا شخص کیا کھاتا ہے، کیا پیتا ہے، وغیرہ۔۔اور بعض دفعہ اس عقیدے کو نصوص میں تحریف معنوی، انکار تواتر اور دیگر علمی موشگافیوں کے ذریعہ متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ طریقہ کچھ بھی ہو،

مگر مقصد ایک ہی ہے

:اسلامی عقائد کی عمارت میں شگاف ڈال کر لوگوں کو دین حق سے دور کرنا ہے۔

مختلف اسلامی ممالک میں، مثلا مصر میں منکرین حدیث کا ٹولہ اور معجزات کے منکر نے اس عقیدے پر علمی یا فنی سطح پر یلغار کر دی ہے۔ برصغیر میں اس ناپاک مہم کو فروغ دینے والے ماضی قریب میں سر سید اور مرزا قادیانی تھے، جبکہ موجودہ دور میں غامدی صاحب اس باطل نظریہ کا نہ صرف قائل بلکہ بھرپور حامی ہے۔

ان تمام امور کو سامنے رکھ کر بندے کے دل میں عرصہ دراز سے یہ خواہش تھی کہ عوام کے سامنے ایسا رسالہ آئے جس میں عقیدہ رفع و نزول عیسیٰ سے متعلق

اعتراضات کا مکمل اور مدلل جواب دیا جائے۔ حال ہی میں ہمارے بزرگ ختم نبوت پر جانم فدا کے مصداق اور قادیانیت کے جدید اسلوبیاتی تنقید کے ماہر جناب عزت خان صاحب دامت برکاتہم نے ایک ایسے رسالے کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ جس کی طرف سے سب کی نظریں دھندلائی ہوئی تھیں،
وہ علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کا مایہ ناز تحریر کردہ فتوی
"نظرة عابرة في مزاعم من ينكر نزول عيسىٰ عليه السلام قبل الآخرة"
اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ یہ علمی جوہر صرف عربی زبان میں میسر تھا، جس کی وجہ سے عوام اور بڑی تعداد میں خواص بھی اس خزانے سے مستفید نہ ہو سکے۔

لہٰذا بندے کے ایک اشارے پر راقم کی ہونہار شاگردہ بنت محب اللہ نے بہت ہمت کی اور شب روز کی مصروفیات کے باوجود اس رسالے کا اردو ترجمہ مکمل کیا جواب "الرد البليغ على من انكر حيات المسيح" کے نام سے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی ذات کریم سے التجاء ہے کہ وہ اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، میرے، راقم کے والدین اور اکابر کے لیے، اور مترجمہ کے لیے اور ان تمام احباب کے لیے جنہوں نے کتاب کی تیاری میں تعاون کیا، صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنا دیں،

اپنے دائمی رضااور قرب کاذریعہ بنادیں،اور سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین، امام المتقین سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث بنادیں۔۔۔ کہ کل کے دن جب ہم حوض کوثر پر آپ صلی اللہ علیہ سلم سے جام پینے کے منتظر ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چمکے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر ملاقات فرمائیں کہ یہ ہیں میرے امتی جنھوں نے میری اور تمام انبیاء کی عزت و ناموس کے لیے مشقتیں اٹھائیں۔۔۔

آمین یارب بحرمة نبیك الكریم۔

راقم کتاب ھٰذا کا انتساب محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔۔۔

سہیل باوا

خاکپائے اکابرین ختم نبوت لندن

حرف ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی من تبع سنتہ واھتدی بہ الیٰ یوم الدین

اما بعد!

یہ کتاب (نظرۃ عابرۃ فی مزاعم من ینکر نزول عیسی قبل الآخرۃ) شیخ امام زاہد الکوثری رحمہ اللہ کی ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے شیخ محمود شلتوت کے اس فتوی کو رد کیا ہے جس میں انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کے رفع الی السماء اور نزول من السماء کا ذکر کیا ہے۔اس کے جاری ہوتے ہی اسکو (الرسالۃ) نامی رسالے میں شائع کیا گیا اور بعد ازاں اسکو انہی کی کتاب جسکا نام (الفتاوی) ہے اس کا حصہ بنایا گیا۔

ہم اس رد کو قادیانی گمراہ فرقہ کے بارے میں پھیلانا چاہتے ہیں جو کہ یورپ، امریکہ اور اس جیسے بہت سے ممالک میں موجود غافل اور کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے میں مسلسل سرگرم ہے۔

فتوی کے اس مضمون کو عبدالکریم خان نامی ایک شخص نے پیش کیا جو ان قادیانی افسروں میں سے تھا جو برطانوی فوج کا حصہ تھے جب انہوں نے مصر کی آزادی سے پہلے اس پر قبضہ کیا تھا، اس شخص نے ازہر یونیورسٹی کے اس وقت کے شیخ (شیخ محمد مصطفی المراغی) کے سامنے پیش کیا۔ اس فتوی کی مندرجات یہ ہیں: (کیا عیسیٰ (علیہ السلام) قرآن اور سنت مطہرہ کی رو سے زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟

اور اس مسلمان کا کیا حکم ہے جو ان کے زندہ ہونے کا انکار کرے؟

اور اس بندے کے بارے میں کیا حکم ہے جو اگر یہ فرض کرے کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) دوبارہ دنیا میں آگئے ہیں اور وہ ان کا انکار کرے؟) جیسے کہ اسکا ذکر شیخ شلتوت کے فتوی کے شروع میں آئیگا، تو شیخ مراغی نے اس فتوی کو شیخ شلتوت کے حوالے کر دیا، جو کہ بہت سے بنیادی اور ثابت شدہ علمی و اجماعی مسائل میں اپنی الگ اور مخالف رائے رکھنے میں مشہور تھے، پس ان کی طرف سے فتوی ایسی صورت میں آیا جس نے علماء کو اسکی طرف متوجہ کیا اور لوگوں نے اس کو سخت ناپسند کیا اور علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس پر رد کیا اور اس فتوی پر رد کرنے والے بڑے بڑے علماء میں سر فہرست شیخ محمد زاہد الکوثری بھی تھے، انہوں نے اس شاندار اور مضبوط کتاب سے اسکا رد کیا۔ اور جبکہ ہم علامہ کوثری کے اس رد کو شائع

کر رہے ہیں تو ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کے ساتھ شیخ شلتوت کے اس کلام کو
شائع کرنا بھی اچھا رہے گا جس پر شیخ نے رد کیا ہے، اس کلام کو ان کی کتاب
(الفتاوی) سے نقل کیا گیا تا کہ پڑھنے والا شیخ شلتوت کے اس فتوی سے بھی باعلم
رہے جس پر رد کیا گیا ہے، اس طرح پڑھنے والا شیخ کوثری کے رد کو زیادہ اچھے
طریقے پر پڑھ اور سمجھ لے گا اور اسکے ساتھ اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ شیخ
کوثری کا یہ رد شیخ شلتوت کے اس فتوی پر ہے جس کو انہوں نے (الرسالۃ) نامی
رسالے میں نشر کروایا تھا، جس کو بعد ازاں شیخ شلتوت نے کانٹ چھانٹ کر اپنی
کتاب (الفتاوی) میں بھی ذکر کیا ہے، جو کہ اپنی عمومی صورت کیساتھ اپنے اندر
مخالفت لیئے (الرسالۃ) نامی رسالے میں ہی باقی رہ گیا باوجود اسکے کہ اسکی کانٹ
چھانٹ بھی کی گئی تھی۔

اور ہم سمجھتے ہیں کہ شیخ کوثری کی کتاب کے اس ایڈیشن مین شیخ کوثری کے تعارف
کو ذکر کرنا انتہائی مفید ہو گا جو شیخ امام محمد ابوزھرہ نے شیخ کوثری کی وفات کے ایک
سال بعد لکھا (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ تا کہ پڑھنے والے جان لیں کہ شیخ ابوزہرہ جیسے
بڑے بڑے علماء کی نظر میں شیخ کوثری کا علم و تحقیق اور امامت کے میدان میں کتنا
بڑا مقام تھا۔ لہذا ہم پہلے امام کوثری کا تعارف پیش کریں گے پھر شیخ شلتوت کا

کلام ذکر کریں گے اور پھر چند سطروں میں ان کے فتوی کا خلاصہ بیان کریں گے پھر اس کے بعد شیخ کوثری کی کتاب کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق کا سوال کرتے ہیں، والحمد اللہ رب العالمین

القاہرۃ 1407/11/10 1987/7/6

امام کوثری کا تعارف شیخ ابو زھرہ کے قلم سے (جو القاھرہ یونیورسٹی میں قانون فیکلٹی کے وکیل اور شرعی علوم کے استاذ ہیں):

1۔ایک سال سے زائد کا عرصہ ہونے کو ہے کہ اسلام نے ایک ایسے امام کو کھودیا جن کا شمار مسلمانوں کے ان ائمہ میں سے ہے جنہوں نے خود کو اس زندگی سے بالا وبرتر کردیا اور وہ علم کی طرف ایسے متوجہ ہوئے جیسے ایک مومن اپنے رب کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ انہون نے جان لیا تھا کہ علم بھی اللہ تعالیٰ کی باقی عبادات کی طرح ایک عبادت ہے جسکے ذریعہ سے عالم اللہ کی رضا حاصل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی رضا حاصل کرنا اسے مطلوب نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس علم کے ذریعہ زمین میں اپنی بڑائی اور پذیرائی حاصل کرنا چاہتا ہے نہ ہی اس سے فساد پھیلانا اسکا مقصود ہوتا ہے اور نہ وہ اس علم

کے بدلے میں دنیاوی مال ومتاع چاہتا ہے بلکہ وہ تو اسکے ذریعہ سے صرف اور صرف حق بات کی نصرت چاہتا ہے تا کہ حق تعالی کی ذات کو راضی کر سکے۔۔۔۔یہی امام کوثری تھے، اللہ ان کی روح کو راحت عطا فرمائیں اور خود بھی ان سے راضی ہوں اور ان کو بھی خوش کر دیں۔

میں نہیں جانتا کہ کوئی عالم فوت ہوا ہو اور اسکا مقام یوں خالی رہ گیا ہو جیسے امام کوثری کا، کیونکہ ان کا شمار سلف صالحین کے ان بزرگوں میں تھا جنہوں نے علم کو کسی کمتر مقصد کے حصول کیلیئے بطور سیڑھی استعمال نہیں کیا بلکہ علم کا حصول ہی ان کا نصب العین اور سب سے بڑا مقصد تھا کیونکہ بلاشبہ مومن کے نزدیک حصول علم کے سوا کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی اس مقام سے آگے کوئی مقام ہے جہاں تک ایک عام انسان پہنچتا ہے۔

آپ (رحمہ اللہ) حضور پاک ﷺ سے منقول احادیث پر تحقیق کرنے کا کام کیا کرتے تھے (کہ علماء ہی تو انبیاء کے وارث ہیں) (الحدیث) اور آپ اس وراثت کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتے تھے اسلئے نہیں کہ لوگوں پر فخر کریں بلکہ اس لئے کہ وہ اس کے ذریعے جہاد کرتے ہوئے اسلام کو عیاں کر دیں اور اسکے حقائق بیان کریں اور ان شکوک واوہام کو دور کریں جو انکے گوہر مقصود (احادیث) پر لاحق

ہوتے ہیں لہذا وہ ان کو لوگوں کے سامنے بالکل واضح اور بے عیب پیش کر دیں۔ لوگوں کی نظریں ان پر ٹکی ہوئی ہیں تا کہ ان کے نور ہدایت سے ہدایت پا سکیں۔

اور انبیاء کی یہ وراثت عالم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایسے ہی جہاد کرے جیسے صحابہ نے کیا تھا، اور مصیبت اور پریشانی پر ویسے ہی صبر کریں جیسے انہوں نے کیا تھا، اور جن کو یہ ہدایت کی طرف بلا رہا ہے ان کی طرف سے ویسے ہی ہٹ دھرمی کو برداشت کرے جیسے انہوں نے کی، لہذا یہ وراثت اسی کیلئے شرف بن سکتی ہے جو اس کے اسباب اختیار کرے اور اسکا حق ادا کرے اور اپنی ذمہ داری کو خوب جان لے اور امام کوثری رحمہ اللہ بالکل ایسے ہی تھے۔

2۔ بلاشبہ آپ ایک ایسی عظیم ہستی تھے کہ جو نہ کسی نئے مذہب کو اپناتے تھے اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں سے تھے جو کسی ایسی نئی بات کی طرف دعوت دیں جو ان سے پہلے کسی نے نہ کی ہو اور نہ ہی ان کا شمار ان حضرات میں تھا جن کو لوگ جدت پسند کہتے ہیں، بلکہ آپ ان کو ناپسند فرماتے تھے کیونکہ وہ خود سنت کے پیروکار تھے نہ کہ بدعتی، لیکن میں اس کے ساتھ ساتھ یہی کہوں گا: کہ وہ یقینا۔۔۔ لفظِ تجدید کو اس کے حقیقی معنی کے ساتھ لے کر چلنے والے مجددین میں سے ایک

تھے۔ کیونکہ تجدید کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائے یا نبوت کے اولین دور کی تعلیمات کو چھوڑ دیا جائے۔(یہ وہ تجدید ہے کہ جو عوام کے یہاں مشہور ہے) دراصل تجدید تو یہ ہے کہ دینِ اسلام کی رونق کو جلا بخشی جائے اور جن تعلیمات کی دین کے ساتھ نسبت کی گئی ہے اس کو دور کیا جائے اور دین کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، سنت کو زندہ کیا جائے اور بدعت کی سرکوبی کی جائے تاکہ لوگوں کے درمیان دینِ اسلام قائم ودائم ہو جائے یہ عین تجدید ہے۔

امام کوثری رحمہ اللہ نے سنتِ نبوی ﷺ کو زندہ کرنے کے لئے انتہائی جد وجہد کی ہے،ان کے عظیم کارناموں مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تاریخ کی کتابوں میں پوشیدہ سنتوں کو منظرِ عام پر لائے اور ان کے راویوں کے مختلف طریق بیان کیے۔

اوراسی حوالے سے انہوں نے خود بھی بہت سے رسالے اور کتابیں تصنیف کیں جن میں آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات (آپ علیہ السلام کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور آپ علیہ السلام نے اس کو پسند کیا ہو اور انکار نہ کیا ہو) کو ذکر کیا اور پھر اسلاف کی تصانیف کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے ساری زندگی سنت کا حد درجہ اہتمام کیا،ان تصانیف میں ان کے وہ اعمال مذکور تھے جو انہوں نے

ادائے سنت اور احیائے دین کے لئے کیے اور یہ سب اس لئے ممکن ہوا کہ ان حضرات کو آپ علیہ السلام کی محبت گھول کر پلادی گئی تھی اور ان کے دل کدورتوں سے پاک تھے اور دنیا کی چکا چوند ان علماء کو دین سے دور کرنے میں ناکام رہی اور نہ ہی وہ بادشاہوں کے آلہ کار/فرمانبردار تھے۔

3۔ بلاشبہ امام کوثری ایک عالمِ حق تھے، بڑے بڑے علماء ان کے علم کے قائل تھے اور ان میں بہت کم ایسے تھے جن کو ان کی قربانیوں کا علم ہو سکا، اور جہاں تک میری بات ہے تو میں ان سے ملنے سے کئی سالوں پہلے ان کو ان کی کتابوں کے ذریعے سے جان چکا تھا جن سے نورِ حق چھلکتا تھا میں نے ان کو ان کے مختلف مشوروں پر کیے گئے تبصروں سے بھی پہچانا، اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس مشورہ کی اہمیت اس پر تبصرہ کرنے والی شخصیت کی وجہ سے بڑھ جاتی تھی کیونکہ کبھی وہ مشورہ ایک چھوٹے سے کتابچے کی صورت مین ہوتا تھا لیکن امام صاحب کا تبصرہ کرنا ہوتا اور لوگ اسکو کسی بڑی کتاب کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے کسی بھی کتاب پر ان کا تبصرہ قابل فہم، واضح اور باعلم ہونے کے ساتھ ساتھ لطیف اشاروں، حسین تنقید، تیر بہدف انداز اور سوچ اور الفاظ پر مکمل گرفت کے ساتھ

ساتھ بہترین عبارت پر مشتمل ہوتا تھااور پڑھنے والے کے وہم وگمان مین بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ ایک عجمی کاتب کی تحریر پڑھ رہے ہیں نہ کہ عربی کی۔

آپ کثرت تواضع کی بناپر کسی بھی کتاب کا دیباچہ لکھتے وقت اپنے سرکاری منصب کا کبھی ذکر نہ کرتے جو وہ آلِ عثمان کے اقتدار میں سنبھال چکے تھے کیونکہ ان کی نظر میں ایک عالم کا شرف اس کے دنیوی عہدوں سے نہیں بلکہ اسکی علمی خدمات سے معتبر جانا جاتا تھا، آپ کے مکتوبات میں ربی زبان کو قوی اسلوب اور واضح معنی اور محکم الفاظ کی وجہ سے پڑھنے والوں کے گمان میں بھی نہ ہوتا کہ اسکا کاتب ایک ترک ہے بلکہ وہ سمجھتا کہ وہ ایک عربی گھرانے میں ہی پیدا ہوئے اور اس میں پروان چھڑے لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ آپ اپنی نسل اور جائے پیدائش کے اعتبار سے ترکی ہی تھے اور آپ نے اپنی ابتدائی زندگی آستانہ میں گزاری، لیکن ان کی علمی زندگی کا دور خالص عربی تھا کہ آپ نے ہمیشہ عربی کو ہی پڑھا اور آپ کے سینے کو خالص محمدی عربی نور نے منور کیا یہی وجہ تھی کہ آپ کی عربی مکتوبات میں آپ کا عربی کلام ہر اس غیر عربی اسلوب سے خالی ہوتا تھا جس کو بتکلف عربی زبان کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا بلکہ وہ خالص اور فصیح عربی اسلوب کو اپناتے جس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی گنجائش نہ ہوتی جو اس بات کی واضح

دلیل ہے کہ آپ کو عربی کتابوں، متون اور صرف ونحو اور بلاغت پر مکمل عبور حاصل تھا، سونے پہ سہاگہ کہ جب آپ عربی شعر بھی خود کہتے تو ان سب کو چار چاند لگ جاتے تھے۔

4۔ آپ رحمہ اللہ میں ایسی امتیازی صفات تھیں جن کی وجہ سے عوام الناس کے ہاں آپ کو بہت مقبولیت ملی اور آپ ایک قابل اتباع شخصیت بن گئے، علم کے عوض تجارت کرنے سے خود کو بچائے رکھا اور ساری دنیا کو دکھادیا کہ ایک مسلمان عالم کا وطن دراصل سرزمین اسلام ہے اور وہ اپنے دین کے معاملہ میں کسی قسم کی ذلت ورسوائی برداشت نہیں کر سکتا کہاں یہ کہ اسلام کو ذلت ورسوائی پہنچانے والوں سے نرم دلی یا تعلق روا رکھے جبکہ وہ تو حق کا راہی ہوتا ہے اور ایسے میں اس کے لئے قطعا کوئی گنجائش نہیں کہ وہ کسی ایسی جگہ رہے جہاں وہ کلمہ حق نہ بول سکے اور علمِ اسلام کو نہ اٹھا سکے اگرچہ وہ اس کا اپنا وطن ہی کیوں نہ ہو جہاں وہ پیدا ہوا اور پلا بڑھا کیونکہ عالم کی زندگی اسکی روح کے ساتھ جڑی ہوتی ہے جو لازوال حقائق اپنے اندر لیے ہوتی ہے نا کہ دنیاوی مادّی چیزوں سے جن کو لا محالہ زوال آنا ہے اور اس کے لئے تو یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں سرخرو ہو جائے، دنیاوی جاہ و جلال اور پذیرائی تو فنا ہونے والی ہے غائب ہونے والی ہوتی ہے۔

5۔اور اس جلیل القدر عالم کی زندگی پر نظر دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مخلص مجاہدانہ طبعیت والے ہر قسم کی مصیبت اور بڑی سے بڑی مشکل پر صبر کرنے والی شخصیت تھے، مختلف مصائب برداشت کرتے کرتے انہوں نے مختلف اسلامی ممالک کا سفر کیا اور جہاں انہوں نے قیام فرمایا وہاں انہوں نے نور معرفت کو خوب پھیلایا اور آپ نے بہت سے اسلامی ممالک کا سفر کیا اور ہر ملک میں دوران قیام بہت سے طلبہ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا جن کے سینے اس مردِ مومن کے علم کے نور سے روشن ہوئے۔ آپ علم کو کھرے طریقے سے کسی بھی قسم کے ریا اور پیچیدگی سے پاک کر کے پیش کرتے تھے، آپ اس بات سے قطعا بے نیاز ہو کر حق کی بات کرتے کہ لوگ اس سے خوش ہونگے یا ناخوش ہاں! لیکن اس بات کا خصوصی دھیان رہتا تھا کہ ان کے اور اللہ کے درمیان تعلق باہم قائم رہے۔ اور یہ سب تو گویا ان کی گھٹی میں شامل تھا اور ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا تھا کہ حق کے لئے ان کا مجاہدہ تو ان کے بڑے ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، تقوی، قوت نفس، صبر اور مشکلات کو تحمل سے برداشت کرنا آپ کے خاندان کی خصوصی صفات تھیں ان کا خاندان اس قضقاز کا رہائشی تھا جہاں طاقت و عزت تھی، جسمانی و روحانی خوبصورتی تھی اور پاک صاف اور گہری

بصارت رکھنے والے افکار کے حاملیں تھے۔ پھر آپ کے والد آستانہ منتقل ہوئے جہاں ہدایت و حق کے ساتھ آپ کی ولادت ہوئی پھر آپ نے وہاں دینی علوم حاصل کیے اور پچیس سال کی عمر ہی میں آپ علم کے اعلی مینار پر کھڑے تھے جس کے بعد آپ نے میدان تدریس میں قدم رکھا یہاں بھی آپ نے کم عمری کے باوجود اپنا لوہا منوایا حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کے آپ کو آزمائش پیش آئی ان لوگوں کی صورت میں جو دین کو دنیا سے الگ ٹھہراتے تھے اور جو دنیا پر اللہ کے حکم سے ہٹ کر راج کرنا چاہتے تھے آپ ان کی تاک میں لگ گئے حالانکہ جوانی زور وں پر تھی، امیدوں کی کرنیں جگمگاتی تھی اور بہت سی ضروریات منہ کھولے کھڑی تھیں لیکن آپ نے ان کی دنیا کے مقابلے میں اپنے دین کو چنا اور حق کی راہ میں اسلامی تعلیمات اور احکام کی حفاظت کی کٹھن راہ کو ایک پر تعیش اور آرام دہ زندگی پر ترجیح دی بلکہ آپ نے تو اللہ کی رضا کے لئے ایک مسلسل اور پر خار جد وجہد کو ایک ایسی آسان اور آرام دہ حیات پر ترجیح دی جس میں مخلوق خوش رہے اور دنیا والے خوش رہیں،،، کیوں کہ اللہ تعالی کو راضی کرنا ہی دراصل ایمان کا مقصد ہے۔

6۔جب آپ کے زمانے میں اتحادیوں کی حکومت نے دراسات دینیہ کے دورانیے کو کم کرنا چاہا تو آپ نے ان کی مخالفت کی پوری کوشش کی کیونکہ آپ اس فیصلے میں بہت نقصان دیکھ رہے تھے لہذا آپ نے خوب غور و خوض کر کے اس معاملے کے لیے ایسی تدبیر کی کہ جو لوگ دراسات کے دورانیہ کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے دورانیہ بڑھانے پر آ گئے تا کہ علوم دینیہ کا طالب علم مکمل علم حاصل کر سکے۔

7۔آپ بڑے ہی غیرت مند عالم تھے آپ نہ ہی دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے کسی پر اعتماد کرتے تھے اور نہ ہی کسی مقصد کے حصول کے لیے کسی کی چاپلوسی کرتے تھے چاہے سامنے والا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کیونکہ آپ رحمہ اللہ جانتے تھے کے عزت و رفعت کا راستہ سیدھا اور کھرا راستہ ہے اور ایک باعزت انسان اپنے اعلی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے عزت نفس نہیں بیچتا کیونکہ کسی بھی اشرف مقصد تک کوئی شریف انسان ہی پہنچ سکتا ہے اور شرافت یہ نہیں کے دنیاوی شان و شوکت والوں اور اعلیٰ عہدے داروں پر اعتماد کیا جائے کیونکہ بلاشبہ جو ان پر اعتماد کرتا ہے وہ اللہ کے ہاں باعزت نہیں رہتا۔

8۔آپ رحمہ اللہ عالی مقاصد کے حصول کے لیے جہد مسلسل کرتے رہے حتیٰ کہ ان کو تمام مشائخ کا نمائندہ بنالیا گیااور یہ بجا تھا کیونکہ وہ منصب کا پورا پورا حق ادا کرنا جانتے تھے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی حکمت عملی سے کبھی بھی کسی اعلی عہدیدار کی رضا کے لیے یہ افراط سے کام نہیں لیا چاہے وہ کتنا بھی قوی اور غالب ہی کیوں نہ ہو اور معزول کیے جانے سے پہلے پہلے تک اسی حکمت عملی کو لے کر چلتے رہے اور ان کے معزول کیے جانے میں عجب نے بھی کہا ہے کہ دراصل باطل کے آگے بھول جانے سے حق کی راہ میں معزول ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔

9۔بعدازاں حضرت شیخ رحمہ اللہ کو ترکی کے مشائخ کی نمائندگی سے معزول کر لیا گیا لیکن اس کے باوجود مجلس وکالت کے سرپرست مقرر رہے اس وجہ سے انہوں نے کبھی اپنی شان میں کمی محسوس نہیں کی کہ وہ مشائخ کی نمائندگی سے رکنیت پر آگئے کیونکہ وہ وجہ جس سے ان کو معزول کیا گیا وہ بہت اعلی ہے، بات تو دراصل عزت نفس کی ہوتی ہے کہ جب تک سر اونچا رہے کام کرنے والے کو یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ سرپرست بن کر کام کریں یا ماتحت، عزت تو اصل میں حق تعالی سے مانگی جاتی ہے اور وہی حق ذات عزت عطا فرماتا ہے۔

10۔ لیکن ایک غیرت مند، پاک دامن اور متقی عالم کا سخت امتحان بھی لیا جاتا ہے جبکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے وطن عزیز جو کہ ایک عظیم اسلامی ملک تھا جس سے ان کی عزت تھی اور مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز تھا الحاد اس میں اپنی جڑیں پکڑ رہا ہے پھر اس پر ایسی طاقت قبضہ جماتی ہے جو اس دین اسلام کی عزت کو پامال کرنا چاہتی ہے اور پھر اس ملک میں اپنے دین کو لے کر چلنے والا گویا کہ ہاتھ میں انگارے لے کر چلنے والے کی مانند ہو جاتا ہے اور اس کی ذات کو تکالیف کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اگر دشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس کو کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا ہے اور درس وتدریس سے اس کو دور کر دیا جاتا ہے۔

ان حالات میں حضرت امام کے پاس تین راستے تھے: یا تو وہ اسی قید خانے میں قید رہیں اور وہیں ان کے علم کا نور قید کی ظلمتوں میں بجھ جاتا اور یہ ایک ایسے عالم کے لئے بے حد مشکل تھا جس کو پڑھنے پڑھانے اور دین اسلام کے علم کے خزانے لوگوں کو بالدلیل سکھانے کی عادت ہو۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ ان ظالموں کی چاپلوسی و مداہنت اور تعاون کرتے جب کہ یہ کام مشکل نہیں ناممکن تھا اور یا تو وہاں سے ہجرت کر لیتے جبکہ اللہ کی زمین بہت

وسیع ہے اور ان کو اللہ تعالی کا قول ((کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے)) (النساء-97) یاد آ گیا۔

11۔ لہذا آپ نے پہلے مصر اور پھر شام کی طرف ہجرت کی پھر واپس لوٹے اور دوبارہ دمشق آئے اور آخر کار سفر قاہرہ میں جا کر ختم ہوا اور آپ اپنے شام کے اسفار اور قاہرہ میں قیام کے دوران ایک نور کی مانند تھے جس مکان میں آپ رہتے تھے چاہے وہ چھوٹا تھا یا بڑا علم حقیقی کے طلباء کے لیے مرجع بن جاتا اور آپ کا گھر ایک مدرسے کا منظر پیش کرتا تھا وہاں وہ طلباء کتابیں پڑھ کر معرفت کے چشموں سے سیر ہو کر راہ ہدایت پر چل پڑتے تھے اور اسلامی علوم کا بازار خوب گرم ہوتا تھا اور علماء کے سینے جذبہ ایمانی سے معمور ہوتے تھے پس آپ نے ان حق کے متلاشی لوگوں کو ان علوم کی طرف متوجہ کیا جب کہ بذات خود آپ پیچیدہ بحثوں کو اپنے کثیر علم اور پختہ طریقہ تدریس سے ان پر کھول کر رکھ دیتے تھے۔

12۔ ان مکتوب کے لکھنے والے نے آپ سے آپ کی وفات سے دو سال قبل ملاقات کی جبکہ روح کا تعلق تو آپ سے سالوں پہلے تب ہی تھا جب میں ان کی تصانیف اور مختلف مسودوں اور کتابوں پر ان کے تبصروں کو پڑھا کرتا تھا اور

میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس عظیم بزرگ کے دل میں بھی میرے لیے وہی انسیت ہے جو میرے دل میں ان کے لئے تھی اور مجھے اس کا علم تب ہوا جب میں نے ان کی کتاب (حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی) پڑھی اس میں انہوں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف منسوب حیلوں کا ذکر کرنے کے دوران میری تعریف کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنی تعریف بہت سے بڑے علماء واکابرین سے سنیں لیکن مجھے کسی کی تعریف سے اتنا فخر محسوس نہیں ہوا جتنا اس عظیم ہستی کی تعریف سے کیونکہ وہ خود بھی ایک علمی شخصیت تھے اور عالمی اعزاز بھی ان جیسی شخصیت کے سرہانے سے مل سکتا تھا۔

میں نے ان سے ملنے کی کوشش کی لیکن مجھے ان کے رہائش کے بارے میں معلوم نہ تھا ایک روز میں ایک درسگاہ کے سرسبز میدان میں چل رہا تھا کہ میں نے ایک وجیہ باوقار شخص کو دیکھا گویا کہ ان کے سفید بالوں سے نور نکل رہا ہو، علماء ترک سا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، ان کے ارد گرد شامی طالب علموں نے حلقہ بنا رکھا تھا، میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی مجھے تلاش ہے جیسے ہی ان کے طلباء ان کے پاس سے اٹھ کر چلنے لگے میں نے کسی ایک سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہیں ؟ اس نے جواب دیا: یہ تو شیخ کوثری ہے پھر کیا تھا میں جلدی سے ان سے

ملنے کے لیے بڑھا اور ان سے ملاقات کی تاکہ ان کی رہائش کے بارے میں پوچھوں میں نے اپنا تعارف کرایا اور مجھے معلوم ہوا کہ ان سے ملنے کا جتنا شوق مجھے تھا اتنا ہی ان کو بھی مجھ سے ملنے کا شوق تھا پھر میں نے باقاعدہ ان کے مقام پر جا کر ان سے ملاقاتیں کی جی ہاں مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی کتابوں اور مباحث سے کہیں اعلی اور بڑھ کر ہیں اور یہ کہ بلاشبہ وہ مصر کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔

13۔اور اب میں اس شیخ امام کی تاریخ کا ایسا گوشہ بیان کرنے لگا ہوں جس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں: میں چاہتا تھا کہ ان کا نفع عام ہو کر سب کو پہنچے اور ان کے علم کے چشمے سے سیراب ہوں: القاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ شریعت نے قانون فکلیلٹی/شعبہ قانون کو یہ رائے پیش کی کہ حضرت شیخ کو پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کی تدریس کے لیے آمادہ کیا جائے جس کو تب قبول کر لیا گیا جب مجلس کے ممبران کو شیخ کے اعلی مقام اور ان کے عظیم علمی کارناموں کا علم ہوا پھر میں شعبہ قانون کے صدر استاذ کے ساتھ حضرت کے پاس گیا لیکن وہاں حضرت اور ان کی اہلیہ کی بیماری اور ان کے ضعف بصر کا عذر بیان کر کے قبول کرنے سے انکار کیا اس سے ہمیں دھچکا لگا وہ برابر معذرت کرتے رہے ہم جتنا اصرار کرتے وہ اتنا ہی اپنے عذر پر جمے رہے حتیٰ کہ جب ہمیں لگا کے اب ہمارے اصرار کا کوئی فائدہ نہیں ہم نے ان

سے ایک بار پھر عرض کی کہ وہ اس علمی معاونت جس کی ہمیں شدید تمنا تھی کے بارے میں ایک بار پھر سوچیں پھر میں اکیلا ایک بار پھر ان کے پاس گیا اور ان سے اس بات پر اصرار کیا لیکن اس بار انہوں نے مجھ سے صراحت سے بات کی ،حضرت شیخ نے فرمایا: یہ حقیقتا ایک بڑا مرتبہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ پوری قوت کے ساتھ اپنے من پسند طریقے سے پڑھاوں مگر میرا بڑھاپا اور میری واحد رفیقہ حیات کی گرتی صحت مجھے میری ذمہ داری ادا کرنے سے روکتی ہے۔

14۔ میں حضرت کی مجلس سے اٹھ آیا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی انسانی جسم اپنے اندر فرشتوں سے روح لئے ہو تو وہ علامہ کوثری ہی ہو سکتے ہیں۔اس کریم انسان کی بہت سے مصائب کے ذریعے آزمائش کی گئی جن پر ان کو فتحیابی حاصل رہی،ان کو ان کے پیاروں کی جدائی سے آزمایا گیا ان کی زندگی میں ہی موت ان کی اولاد کو ایک ایک کر کے نگل گئی اور جیسے کہ ہر ایک کی موت سے ان کے دل میں غم کا شعلہ بھڑکتا جو دل میں غم کا سمندر برپا کر دیتا لیکن آپ نے علم سے اپنے غموں پر صبر کرنا سیکھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بات دہراتے رہتے تھے (فصبر جمیل واللہ المستعان)(یوسف:18) لیکن ان کی زندگی کی ہر مصیبت کی ساتھی ان کی اہلیہ ان پے در پے مصیبتوں کے آنے کے بعد صبر کرنے

کی کوشش کرتی تھی اور صبر کا اظہار کرتی تھی ان حالات میں وہ ان کو تسلی دیا کرتے تھے اور ان کے زخموں پر مرہم رکھتے تھے حالانکہ لاتعداد غموں کے باعث ان کے زخمی دل کو بھی مرہم کی ضرورت تھی۔ آپ اپنے رب سے انتہائی صبر شکر اور رضا کی حالت میں جا ملے۔ (اللہ کے سچے اور برگزیدہ بندوں کی طرح)

(محمد ابوزہر)

(اس مکتوب میں کاتب نے ان کو وصف لفظ "امام" سے گیارہ مرتبہ بیان کیا اور دس مرتبہ "رضی اللہ عنہ" کہا اور یہ بھی کہا (کہ آپ حقیقی معنوں میں اس دور کے مجددین میں سے تھے)

عیسیٰ کے قیامت سے قبل نزول کے منکر کی ذات پر ایک عبوری نظر

بقلم امام استاذ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ محمد شلتوت کا سیدنا عیسی علیہ السلام کی وفات، رفع اور نزول کے متعلق فتوی

ان کی کتاب (الفتاوی) سے منقول (ص52-75)

"رفع عیسی علیہ السلام"

جامعہ ازہر کے مشائخ کے پاس مشرق وسطی کی فوجوں کی جنرل کمانڈ کی ماتحتی میں عبدالکریم خان نامی ایک شخص کی طرف سے ایک سوال آیا جس میں پوچھا گیا تھا کہ:

کیا قرآن وسنت کی رو سے حضرت عیسی علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟

اور اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جو ان کے زندہ ہونے کا انکار کرے؟

اور اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جو بالفرض ان کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے بعد ان کا انکار کرے؟

یہ سوال ہمارے سپرد کیا گیا جس کا جواب ہم نے فتوی کی صورت میں دیا جسکو (الرسالۃ) نامی رسالے نے اپنی طباعت کے دسویں سال نمبر 462 سے شائع کیا۔

قران کریم اور عیسی علیہ السلام کے معاملے کی انتہا:-

اما بعد! قرآن کریم نے عیسی علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ انجام کار کے اعتبار سے تین سورتوں میں ذکر کیا ہے۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ قَالَ الۡحَـوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ‌ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ‌ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ‏ (۵۲) رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ‏ (۵۳) وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ (۵۴) اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰۤى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ‌ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ (۵۵)

پھر جب عیسی (علیہ السلام) نے ان کا انکار دیکھا تو کہا کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم فرمانبردار ہیں (52) اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو آپ نے اتارا اور ہم نے رسول کی پیروی کی، پس آپ ہمیں لکھ دے گواہی دینے والوں میں سے (53) اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے (54) جب اللہ نے کہا کے اے عیسیٰ! میں تم کو واپس لینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور جن

لوگوں نے انکار کیا ہے ان سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور جو تمہارے پیرو کار ہیں ان کو قیامت تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے تمہارا انکار کیا ، پھر تم سب کی میری طرف واپسی ہو گی پس میں تمہارے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم جھگڑتے تھے (55)

سورۃ النساء میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۢ (١٥٧) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا (١٥٨)

اوران کے یہ کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسی بن مریم (علیہ السلام) اللہ کے رسول کو قتل کردیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ان کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اندازوں پر چل رہے ہیں اور

بے شک انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا(157) بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیااور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے(158)

سورۃ المائدۃ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ - اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ - تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ - اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ(١١٦) مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ - وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ - فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ - وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ(١١٧)

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ وہ جواب دیں گے کہ (اے رب) آپ تو پاک ہیں میرا یہ کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہو جس کا مجھے کوئی حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہیں اور میں

نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے، بے شک آپ ہی تو چھپی باتوں کو جاننے والے ہیں (116) میں نے ان سے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان پر نگران تھے اور آپ تو ہر چیز پر گواہ ہیں (117)

یہ وہ آیات کریمہ ہیں جن میں قرآن نے عیسی علیہ السلام کے ان کی قوم کے ساتھ معاملے کا انجام بتایا۔

اور سورہ مائدہ کی آخری آیات ہمیں آخرت کے ایک اہم معاملے کے بارے میں خبر دیتی ہے جو ان کی قوم کا ان کی اور ان کی والدہ کے عبادت کرنے کے متعلق ہے جس کے بارے میں باری تعالیٰ نے آپ سے پوچھا بھی اور یہی آیات حضرت عیسی علیہ السلام کی زبانی یہ بھی ثابت کر رہی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صرف وہی فرمایا جس کا اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا تھا کہ (اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے) اور یہ بھی کہ وہ (حضرت عیسی علیہ السلام) جب تک

ان کے درمیان زندہ موجود تھے ان پر گواہ تھے اور یہ کہ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالی کے ان کے اٹھائے جانے کے بعد ان کی طرف سے کیا معاملہ پیش آیا۔

توفی کا مطلب:-

(**توفی**) کا لفظ قرآن کریم میں کئی بار "موت" کے معنی میں ذکر ہوا ہے حتی کہ غالبا موت کے لئے ہی استعمال ہونے لگا ہے، موت کے علاوہ کسی اور معنی میں تب استعمال ہوتا ہے جب اسکے ساتھ کوئی قرینہ ذکر کیا جائے جو اس مطلب پر دلالت کرے

قُلۡ يَتَوَفّٰكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ

(السجدہ-۱۱)

کہہ دیجئے کہ موت کا فرشتہ تمہاری جان قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (النساء-97)

یقیناجولوگ اپنابراکررہے ہیں جب انکی جان فرشتے نکالیں گے۔

وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمَلٰۤٮِٕكَةُ (الانفال-50)

اوراگرآپ دیکھتے جب کہ فرشتے ان منکرین کی جان قبض کرتے ہیں۔

تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا (الانعام-61) توہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں۔

وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى (المؤمن-67) اور تم میں سے کوئی مرجاتا ہے۔

حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ (النساء-15) یہاں تک کہ ان کوموت آجائے۔

تَوَفَّنِىۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ (یوسف-101) مجھ کوفرمانبرداری کی حالت میں وفات دیجئے اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمائیے۔

اب سورہ مائدہ میں **(توفیتنی)** کا جو جملہ مذکور ہے اس میں بھی چاہیئے کہ اس کو غالب معنی دے جو باقی سب آیات میں ہے اور جو لوگوں کے یہاں بھی معروف

ہے اور وہ ہے "موت" جس کو عربی بولنے والے اس کے سیاق و سباق سے بخوبی جانتے ہیں لہذا اگر ان آیات کے ساتھ کوئی ایسی آیت نہ آجائے جو عیسی علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ انجام کے متعلق وضاحت کر دے تو اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ عیسی علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور نا ہی اس بات کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ یہاں وفات عیسی علیہ السلام سے مراد ان کا آسمان سے دوبارہ اترنے کے بعد کی وفات مراد ہے جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ آسمان میں زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں دوبارہ ان کا نزول ہوگا کیونکہ آیات مذکورہ واضح طور پر ان کی نسبت ان کی اپنی قوم کے ساتھ بیان کر رہی ہے نہ کہ اس قوم کے ساتھ جو آخری زمانے میں ہوگی اور وہ بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے نہ کہ عیسی علیہ السلام کی۔

اللہ تعالی کے قول (رفعه الله اليه) کا مطلب: اور کیا اللہ آسمان میں ہے

سورۃ النساء کی آیت میں وارد ہے کہ (بل رفعه الله اليه) ترجمہ (اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا) جمہور مفسرین نے اس کی تفسیر رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کی شباہت کسی اور

بندے پر ڈال دی تھی اور ان کو ان کے جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا اور اب وہ وہاں زندہ ہیں اور اخیر زمانہ میں دوبارہ نازل ہوں گے اور پھر خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور ان سب باتوں کی دلیل مندرجہ ذیل چیزیں ہیں:

1۔ وہ احادیث جو دجال کی آمد کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے متعلق ہیں جبکہ ان روایت کا حال یہ ہے کہ ان میں کافی اضطراب پایا جاتا ہے، ان کے الفاظ اور معانی ایک دوسرے سے ایسے مختلف ہیں کہ ان کے درمیان کسی طرح تطبیق نہیں دی جاسکتی اور یہ بات علمائے حدیث نے بھی ذکر کی ہے اور اس کے ساتھ ان احادیث کے راوی وھب بن منبہ اور کعب احبار ہیں جنہوں نے اہل کتاب ہونے کے بعد اسلام قبول کیا اور ان کا مرتبہ علم الجرح وتعدیل کے یہاں کیا تھا؟ یہ سب کو معلوم ہے۔

2۔ ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں محض حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تو وہ خبر واحد ہے (یعنی ایک اکیلے فرد سے روایت کی گئی ہے) اور علماء کا اس پر

اجماع ہے کہ خبر واحد سے ہم نہ کسی عقیدے کو ثابت کر سکتے ہیں نہ ہی غیبی امور کے بارے میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے

3۔ حدیث معراج، جس میں مذکور ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور جب ایک کے بعد ایک آسمان کا دروازہ کھلواتے اور اس میں داخل ہوتے وہاں انہوں نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے خالہ کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیکھا اور اس حدیث سے استدلال کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حدیث کے کثیر شارحین نے معراج اور معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں کہا ہے وہ روحانی طور پر تھی جسمانی نہیں تھی (دیکھئے فتح الباری اور زاد المعاد وغیرہ) اور یہ بات بھی مضحکہ خیز ہے کہ وہ عیسی علیہ السلام کا رفع الی السماء سے جسمانی طور پر رفع الی السماء کا مطلب لے کر اس پر معراج کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں جبکہ انہیں میں سے ایک گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی رات حضرت عیسی علیہ السلام سے ملاقات کو جسمانی ملاقات قرار دینے کے لیے بھی مذکورہ آیات بل رفعہ اللہ الیہ کو دلیل بناتے ہیں، اس طرح یہ لوگ بیک وقت حدیث کے مفہوم میں اپنے مقصودی معنی بیان کرنے کے لیے اس آیت کو دلیل

بناتے ہیں اور آیات کے مفہوم میں اپنے مقصود کے معنی بیان کرنے کے لیے اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں

سورۃ آل عمران میں (رفع) کا ذکر:

اللہ تعالٰی نے سورۃ آل عمران میں فرمایا (اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ - میں تم کو واپس لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں) اور سورۃ النساء میں فرمایا (بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ - بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا) اگر ہم پہلی آیت کو دوسری سے جوڑ کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ دوسری آیت میں دراصل اس وعدے کے پورے ہونے کے بارے میں بتایا گیا ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلی آیت میں کیا گیا ہے اور وہ وعدہ یہ تھا کہ ان کو پورا پورا وصول کر لیا جاتا ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جاتا اور ان کو کافروں کے کفر سے پاک کر دیا جاتا، لہٰذا جب دوسری آیت میں پورا پورا وصول کر لینے اور کافروں سے پاک کر دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اب ان دونوں آیات کے معنی کی تطبیق کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسری آیت کے ضمن میں پہلی آیت کے معنی بھی مراد لئے جائیں۔ اس طرح معنی یوں بنتا ہے (کہ اللہ نے عیسی علیہ السلام کو موت دی اور اپنی طرف اٹھا لیا اور کافروں کے

کفر سے ان کو پاک کر دیا) علامہ آلوسی نے اللہ تعالی کے فرمان (اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ) کی تفسیر مختلف اقوال سے بیان کی ہے ان میں سے ایک جو ان سب میں ٹھیک معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ (میں تمہاری موت کا وقت پورا کر رہا ہوں اور تمہیں تمہاری طبعی موت دے رہا ہوں میں تمہیں قتل کرنے کے لئے کسی کو بھی تم پر مسلط نہیں کروں گا) اور اللہ کا یہ کہنا ان کو ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھنے اور ان کی بے حرمتی کرنے سے روکنے کے مطلب میں کنایت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب (مُتَوَفِّیْکَ) کی تفسیر میں ان کی موت کے وقت کا پورا ہو جانا مراد لیا جائے اور طبعی موت سے وفات ہونے کا مطلب نہ لیا جائے (اور یہ بات بھی واضح ہے کہ پورا موصول ہونے کے بعد اٹھا لئے جانے کا مطلب کے بعد دربار کا مطلب توفی کے بعد رفع کا مطلب رفع قدر و منزلت ہوتی ہے نہ کہ رفع جسد خصوصا تب جب اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا گیا ہے) (میں تمہیں ان سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے تمہارا انکار کیا) یہ اس بات کی دلالت ہے کہ یہ سب ان کے اعزاز و اکرام کے لئے کیا گیا اور اعزاز و اکرام کے معنی میں رفع کا ذکر قرآن کریم میں کئی بار مذکور ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ : ایسے گھروں میں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند کیئے جائیں (النور — 36)

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ : ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں (یوسف — 76)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ : اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا (انشراح — 4)

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا : اور ہم نے اس کو بلند مرتبہ تک پہنچایا (مریم — 57)

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : تم میں سے جو ایمان والے ہیں اللہ ان کو بلند کریگا (المجادلہ — 11)

لہذا اگر ان سب آیات میں رفع کا مطلب مرتبہ بلند کرنے کے معنی میں ہے تو فرمان الٰہی (ورافعك الی) اور (بل رفعه الله اليه) میں بھی ایسے ہی ہونا چاہیے اور یہ بالکل ایسا ہی ہو گا جیسے لوگ کہتے ہیں (فلاں رفیق اعلیٰ سے جاملا یعنی اللہ سے) یا جیسے قرآن میں ہے (ان الله معنا — بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور ایک اور آیت میں ہے (عند مليك مقتدر — قدرت والے بادشاہ کے پاس)

ان سب سے مراد اللہ کی حفاظت اور ڈھال میں داخل ہونا ہی مراد ہے تو (بل رفعه الله اليه) میں (اليه) کے لفظ سے آسمان کا مطلب کہاں سے لیا جائے گا؟

یہ تو قرآن کی واضح عبارت کے ساتھ ظلم ہے جنکی دلیل ایسے روایات اور قصوں کو بنایا گیا جن کی اصلیت کے ثبوت پر کوئی دلیل تو کیا دلیل کا شبہ بھی موجود نہیں یقین تو بہت دور کی بات!

مذکورہ آیات کا مفہوم:

حضرت عیسی علیہ السلام ایک رسول تھے جن سے پہلے باقی پیغمبر گزر چکے ان کی قوم نے ان سے سخت دشمنی کی ٹھان لی تھی ان کے چہروں پر ہمہ وقت شرانگریزی نمایاں ہوتی تھی وہ انبیاء اور رسولوں کی طرح اللہ کے سامنے گڑ گڑائے پھر اللہ نے اپنی قدرت اور حکمت سے ان کو بچالیا اور ان کے دشمنوں کی تدبیر کو ناکام کر دیا یہی معنی ان آیات کے ذیل میں موجود ہے (پھر جب عیسی علیہ السلام نے ان کا انکار دیکھا تو کہا کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے) اس آیت کے آخر تک اللہ تعالی نے اپنی تدبیر کے زیادہ قوی ہونے کے بارے میں بتایا ہے بنسبت ان کی قوم کی تدبیر کے اور یہ بھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بے خبری میں قتل کرنے کی جو

تدبیر انہوں نے کی تھی وہ اللہ کی حفاظت کی وجہ سے باطل ہو گی جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام سے فرمایا(اے عیسی میں تم کو واپس لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور جن لوگوں نے انکار کیا ان لوگوں سے میں تمھیں پاک کرنے والا ہوں)اس میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی قوم کی تدبیر سے بچا لینے اور ان کی چالیں خود ان پر لوٹا دینے کی خوشخبری دے رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ وہ ان کی وفات کا وقت پورا کر کے ان کو ان کی طبعی موت دے رہے ہیں نہ تو آپ کی موت قتل سے ہو گی اور نہ ہی سولی پر چڑھائے جانے سے پھر اللہ تعالی ان کو اپنی طرف اٹھالیں گے۔

اور یہی معنی ان آیات کے پڑھنے والا بھی سمجھتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ آخر میں کیا معاملہ پیش آیا کہ کب اللہ نے ان کی مدد کی جب ان کے دشمن ان کے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے اور میری سمجھ سے بالا تر ہے کہ کیسے حضرت عیسی علیہ السلام کو انکے درمیان سے ان کے جسم کے ساتھ اٹھالینا اللہ کی تدبیر ہو سکتی ہے ؟اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تدبیر ان لوگوں کی تدبیر کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے کہ یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسکا مقابلہ کرنا قوم کیلئے ممکن نا تھا اور بلاشبہ ایسا کرنا کسی بندہ بشر کے بس میں بھی نہیں ہے۔

ہاں دراصل بات یہ ہے کہ کسی بھی تدبیر کے مقابلے میں تدبیر کا اعتبار تب ہی ہوتا ہے جب وہ اسی پہلی تدبیر کے اسلوب پر ہی ہو اور معمول سے ہٹ کر نا ہو، جیسے کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہوا تھا جسے اللہ تعالی نے فرمایا (اور جب کافر آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا وطن سے نکال دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے) (الانفال- 30)

رفع عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ کا منکر کافر نہیں:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہیکہ

1۔ پورے قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے مجموعہ میں کوئی ایسی قابل اعتماد دلیل موجود نہیں جس سے دل اس عقیدہ پر مطمئن ہو کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو جسم کیساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور اب وہ وہاں زندہ موجود ہیں اور یہ کہ عنقریب اخیر زمانہ میں ان کا دوبارہ زمین کی طرف نزول ہو گا۔

2۔اس بارے میں قرآن کریم کی جتنی آیات ہیں ان سب سے مراد اللہ تعالیٰ کا عیسی علیہ السلام سے ان کی موت کا وقت پورا کر دینے، اور ان کو بلند کر دینے اور کفر کرنے والوں سے پاک کر دینے کا وعدہ ہے جو کہ پورا ہوا کہ ناتوان کے دشمن ان کو قتل کر سکے اور نا ہی سولی چڑھا سکے بلکہ اللہ نے ان کی موت کا وقت پورا کر کے ان کو اپنی طرف بلا لیا/اٹھا لیا۔

3۔اب جو شخص حضرت عیسی علیہ السلام کا جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ان کے اب وہاں زندہ موجود ہونے اور اخیر زمانے میں ان کے دوبارہ نزول کا انکار کرے تو وہ قرآن سے ثابت شدہ ان کے فوت ہو جانے کی قطعی دلیل کا منکر نہیں ہو گا لہذا وہ اسلام سے خارج بھی نہیں شمار کیا جائے گا اور اس پر مرتد ہونے کا حکم لگانا بھی جائز نہیں بلکہ وہ مسلمان ہی رہے گا اگر وہ مر گیا تو اس پر باقی مسلمانوں کی طرح نماز جنازہ پڑھائی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور عند اللہ بھی اسکے ایمان پر کوئی شک وشبہ نا ہو گا اور اللہ ہی اپنے بندوں کے حال سے بخوبی واقف ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

مناقشہ:

"رسالۃ" نامی جریدے نے اپنے دسویں سال میں اس فتوی کو نمبر 462 سے شائع کیا اس پر قدیم رائے رکھنے والے لوگوں نے شور برپا کر دیا اور دینی حمیت کا شکار ہوئے اور ان سب کے شبہات دور کرنے کیلیئے ہم نے مضبوط علمی دلائل پیش کیئے جو "رسالۃ" جرید نے گیارہویں سال میں (نمبر 514 تا نمبر 519) سے شائع کیا۔

ذیل میں اس رد کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

علماء کے یہاں چند مسلم اصول یہ ہیں:

1۔ شریعت نے عقائد بیان کیئے اور لوگوں کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ایمان کا مطلب ہے: اپنی دلیل کے ہوتے ہوئے جو حقیقت کے مطابق ہو کسی چیز کا پختہ اعتقاد رکھنا، اور یہ بات واضح ہے کہ عقیدہ ثابت کرنے کیلیئے یہی کافی نہیں کہ جس کو دلیل کا نام دیا جاسکے بلکہ اسکے لیئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نا ہو۔

2۔ اور دلیل قطعی مندرجہ ذیل دو چیزوں سے بنتی ہے/ثابت ہوتی ہے:

نمبر ایک: وہ دلیل عقلی جسکی تمہیدات صحیح ہوں اور عقل اور ضرورت کے معیار پر پورا اتر کر حکم ثابت کر رہے ہوں تو یہ بالا تفاق یقینی معنی دیتی ہے اور اس سے مطلوبہ ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔

ایسی دلیل بالا تفاق یقینی ہے اور مطلوبہ عقیدہ بھی اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔

نمبر دو: وہ دلیل نقلی جو اپنی ذات اور دلالت میں قطعی ہو اور اسکی ذات میں قطعی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے اسکے ثابت ہونے میں کوئی شبہ نا ہو ، جیسے کہ قرآن کریم سارا کا سارا تواتر کے ساتھ قطعی طور پر ثابت ہے اور جیسے کہ احادیث متواترہ جبکہ ان کا تواتر ثابت ہو جائے اور دلالت میں قطعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے معانی میں محکم اور مضبوط ہو اور اس میں کسی قسم کی تاویل نا چلتی ہو۔

3۔ لہذا جب دلیل عقلی کے ثبوت ایسے قوی ہوں تو وہ یقین کے معنی دیتے ہیں اور عقیدہ ثابت کرنے کیلئے بھی ٹھیک ہے۔

اب ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ مسائل جو قطعی نہ ہو یا قطعی تو ہو لیکن ان کی دلالت میں کوئی شک وشبہ آجائے اور اس میں علماء کا اختلاف ہو جائے تو مسائل

دین کے ان بنیادی عقائد میں داخل نہیں ہوں گے جن کا مکلف بنایا جاتا ہے اور جو مومنوں اور کافروں کے درمیان حد فاصل شمار ہوتے ہیں۔

4۔ یہ چند اصول جو ہم نے ذکر کئے ہیں ہر اس بندے کے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون سے عقائد دین میں ہیں اور کون سے دین میں نہیں ہیں یہ اصول علماء کے یہاں بھی مسلم ہے، ان کی کتب اور بحث مباحثوں سے باعلم لوگ جانتے ہیں کہ ان اصول میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان اصول کی روشنی میں ہم ان لوگوں کی بات (رفع عیسی اور نزول عیسی علیہ السلام) کا دوبارہ جائزہ لینگے جن کا دعویٰ ہے کہ آخری زمانے میں حضرت عیسی علیہ السلام کا نازل ہونا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے اس نزول کے متعلق ان حضرات کے تین نظریے ہیں، ایک ان آیات کے متعلق جو انہوں نے ذکر کیے، ایک ان احادیث میں جو انہوں نے پیش کی اور تیسرا نظریہ اس اجماع کے متعلق جس کا انہوں نے دعوی کیا۔

آیات ذکر کردہ کے متعلق نظریہ:

جو آیات اس بارے میں پیش کی گئی ہیں ان کو ہم تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلی قسم: وہ آیات جو عیسی علیہ السلام کی وفات اور رفع کا ذکر کرتی ہیں اور ظاہری معنی سے ان کی وفات واقع ہو جانے پر دلالت کرتی ہیں اور وہ آیات یہ ہیں:

1۔ سورہ آل عمران میں (جب اللہ نے کہا اے عیسی میں تمہیں واپس لینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں)

2۔ سورۃ النساء میں (یہ کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسی بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا۔۔۔۔۔ اور بے شک انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا)

3۔ سورہ مائدہ میں (پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ہی ان پر نگران تھے)

ہم نے اپنے فتوی میں ان آیات کا ذکر کیا اور اس کی علمی تحقیق کی اور مفسرین کے اقوال ذکر کیے اور یہ بھی عرض کیا کہ رفع عیسی الی السماء کی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے، ان سب احادیث کے مجموعے سے ظاہری پتہ چلتا ہے کے عیسی علیہ السلام اپنی اجل کے وقت فوت ہو گئے تھے اگرچہ بعض مفسرین ان آیات کا ظاہری معنی لیتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے ان کو ان کے دشمنوں سے محفوظ کر کے ان کا رتبہ بلند کیا اور ان کے مکر سے ان کو پاک کیا اور ہم اس کو دوبارہ ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ (1)

---

[1] یہ الگ بات ہے کہ یہ اللہ تعالی کے اس قول (بل رفعہ اللہ الیہ) جسے اللہ نے (وما قتلوہ یقینا) کے بعد ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام کی قوم کا ان کو قتل کرنے کی نفی کرنے کے بعد رفع کا ذکر کرنے کا مطلب ہے کہ ان کا رفع لازمی طور پر جسمانی ہوا تھا اور نہ (بل) سے پہلے اور بعد کے معنی میں منافات نہیں ہوتی (جبکہ بل کے پہلے اور بعد منافاۃ کا ہونا ضروری ہے) ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ منافات تو موجود ہے کیوں کہ رفع کے لفظ سے مراد دراصل ان کے اور ان کی قوم کی ایذا رسانیوں کے درمیان حائل ہو کر رفع درجات اور رفع منزلت ہے ۔۔۔۔۔۔۔ کلام معنی یہ ہے کہ اللہ نے عیسی علیہ السلام کو ان کی قوم سے محفوظ کیا اور ان کو ان کے قتل کرنے سے محفوظ کر کے ان کی تدبیر ناکام کر کے اور ان کو ان کے مقررہ اجل پر وفات دے کر ان کی قدر و منزلت کو اونچا کیا اور ہم نے فتوی میں بھی کہا تھا کہ: اس طرح سے مذکورہ آیت اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ مکمل طور پر متفق ہو جاتی ہے (انی متوفیك ورافعك الی ومطهرك من الذین كفروا) اور یہ اس آیت میں ایک قوی معنی ہے جو اس دعوے سے روک سکتا ہے کہ اس کو رفع جسمانی پر بطور دلیل لیا جائے۔ اور امام رازی رحمہ اللہ اللہ کے قول (ومطهرك: اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (کہ میں تمہیں ان کے درمیان سے نکالوں گا اور ان سے تمہیں جدا کر دوں گا اور پھر لفظ رفع ذکر کر کے اللہ نے ان کی عظمت شان ذکر کی جس کی تشریح لفظ تطہیر سے کی اور یہ سب حضرت عیسی علیہ السلام کی عظمت شان اور رفعت منزلت میں مبالغہ آرائی پر دلالت کرتا ہے) اور اللہ کے قول (وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین كفروا: اور جو تمہارے پیرو ہیں ان لوگوں کو ان پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے تمہارا انکار کیا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں فوقیت سے دلیل اور حجت کے ساتھ فوقیت مراد ہے پھر کہتے ہیں کہ خوب جان لو کہ (رافعك الی) میں رفع سے مراد رفع منزلت اور رفع درجہ ہے نہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا جیسے کہ اسی آیت میں فوقیت سے مراد قدر و منزلت ہے نہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

(انتهت الحاشیه)

(حاشیہ ختم ہوا)

دوسری قسم: وہ آیات ہیں جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں کہ ان کا موضوع سے کوئی تعلق ہے لہذا ہم نے ان پر غور وفکر نہیں کیا اور اس قسم کی آیات کے بارے میں یہی کہیں گے جو انہیں میں سے کسی نے کہا (ہم نے فرمان باری تعالیٰ جو ذکر کیا اس کے ساتھ آپ حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں یہ قول بھی اس کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں کہ وہ دنیا اور آخرت میں مرتبے والا ہوگا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا کہ اس میں (ومن المقربین) سے اشارہ ہے کہ ان کو ملائکہ مقربین کے مقام میں اٹھالیا گیا ہے (اور شیخ صاحب کی کس سے مراد آسمان کی طرف اٹھایا جانا ہی مراد ہے) اور یہ تو قرآن کے معنی میں تبدیلی کرنا ہوا کہ (مقربین) کا کلمہ قرآن کریم میں بہت سی جگہوں میں آیا ہے۔

(والسابقون السابقون اولئك المقربون— اور آگے والے تو آگے والے ہی ہیں وہ مقرب لوگ ہیں) (الواقعة)

(فاما ان کان من المقربین 0 فروح وریحان وجنت نعیم (الآیۃ)
- پس اگر وہ مقربین میں سے ہوں تو راحت ہے اور عمدہ روزی ہے اور نعمت کا باغ
ہے) (الواقعۃ)
(عینا یشرب بہا المقربون- وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے)
(المطففین) تو اگر ایسا ہے تو عیسی علیہ السلام واحد بندے بنے ہیں جو آسمان میں بمع
جسم کے زندہ رہے ہیں بلکہ ان کے ساتھ اللہ کے بندوں کی پوری فوجیں بھی ہیں
جن میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اب منطقی لحاظ سے تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔
پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ کے قول (وجیہا فی الدنیا والآخرۃ) میں
اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ وجیہ کا مطلب ہے "مرتبے والا" اور ان کے
آسمان کی طرف اٹھانے سے زیادہ اور کوئی مرتبہ نہیں۔
اس قسم کی بات نہیں کہی جاسکتی کہ دنیا میں حضرت عیسی علیہ السلام کی عزت اور
وجاہت کا مطلب ہے معجزات اور دلائل سے ان کی مدد کی جاتی (اور اللہ اس کو
کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا- اور بنی اسرائیل کی طرف رسول
ہوں گے کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں) تو وجاہت
کے اس قصے کے ساتھ رفع الی السماء کو کیسے جوڑا جاسکتا ہے، جس کا دعوی یہ لوگ

کرتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے یا اس میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے ؟اور وہ شخص زمین پر رہنے والے لوگوں کو چھوڑ کر آسمان کی طرف چلا جائے اس کی عزت وجاہت کو زمین والے کیسے محسوس کریں گے ؟اور اس طرح یہ حضرات ہر آیت وعبارت میں سے کوئی نہ کوئی اشارہ نکال کر دعوی کرتے ہیں کہ یہ ایسا عقیدہ ہے جس کا منکر کافر ہے ؟

تیسری قسم: تیسری قسم میں وہ دو آیات ذکر کی گئی ہیں جن کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کی تفسیر میں بعض اقوال یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول پر دلالت کرتی ہیں اور وہ دو آیات مندرجہ ذیل ہیں:

سورہ نساء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے "اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے "اور سورۃ زخرف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے "اور بے شک عیسی قیامت کا ایک نشان ہیں تو آپ اس میں شک نہ کرو" جس وقت ہم فتوی لکھ رہے تھے ہم نے ان دونوں آیتوں پر غور کیا اور اس پر بھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول پر کس درجہ میں دلالت کرتی ہیں ؟

اور ہماری نظر سے وہ مختلف اقوال اور معانی بھی گزرے جو علماء نے ان دونوں آیتوں کے ضمن میں ذکر کیے ہیں اور جب میں کسی ایسی دلیل کی تلاش میں تھا جو

اس آیت کی مخالفت پر کفر کا حکم لگائے میرا خیال نہیں کہ جس کسی نے یہ دونوں آیتیں بیان کی ہیں اور ان سے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال اور آراء اس کی تفسیر اور ترجیح کے اعتبار سے دیکھی ہیں (جیسا کہ ہم نے بھی دیکھی ہیں) اور پھر یہ کہا ہے کہ یہ دونوں آیتیں قطعی طور پر نزول عیسی علیہ السلام پر دلالت کرتی ہیں! یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان پر کلام کرنا ضروری نہ سمجھا کیونکہ ہر تفسیر پڑھنے والے پر واضح ہے کہ "یہ کس" درجہ میں (نزول عیسی علیہ السلام) پر دلالت کرتی ہیں، لیکن یہ حضرات انہیں دو آیتوں کا ذکر کرنے پر مصر ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ یہ دونوں آیتیں نزول عیسی علیہ السلام پر قطعی دلالت کرتی ہیں، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم قارئین کے سامنے مفسرین کی آرا کا خلاصہ پیش کریں اس کے بعد ہم اپنی رائے ذکر کریں گے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے:

پہلی آیت:

اس آیت میں مفسرین کے مختلف قول ہیں جن میں سے دو قول زیادہ مشہور ہیں۔

1۔ کہ لفظ (بہ) اور (موتہ) کی ضمیر عیسی علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے تو معنی یوں ہوگا: کہ یہود و نصاری میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچے گا جو حضرت عیسی علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے۔

یہ حضرات کہتے ہیں یہ آیت بتاتی ہے کیا اہل کتاب عیسی علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے جب کہ ابھی تک وہ ان پر اس درجے کا ایمان نہیں لائے ہیں جو مطلوب ہے اسی لیے حضرت عیسی علیہ السلام کا فی الوقت زندہ موجود ہونا ضروری ہے تاکہ مطلوبہ درجہ کا ایمان ان پر ان کی موت سے پہلے حاصل ہو جائے اور یہ اخیر زمانہ میں ان کے نزول کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

2۔ لفظ (بہ) کی ضمیر عیسی علیہ السلام اور (موتہ) کی ضمیر کتابی کی طرف لوٹ رہی ہے تو معنی یوں ہو گا کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچے گا جو اپنی موت سے پہلے عیسی علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ اہل کتاب کے ایمان کے جس طریقے کے بارے میں اس تفسیر میں خبر دی گئی ہے وہ حضرت عیسی علیہ السلام کا موجودہ وقت میں زندہ موجود ہونے اور مستقبل میں ان کے نزول پر موقوف نہیں ہے، کیوں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ موت کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہی ایمان لے آئیں گے کہ وہ اللہ کے نبی اور اللہ کی بندی (مریم علیھا السلام) کے بیٹے ہیں۔

مفسرین کے یہاں یہ دو قول کافی مشہور ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کو ترجیح دینے والے بھی موجود ہیں: مشہور مفسر ابن جریر رحمہ اللہ نے ان دونوں کا ذکر کیا

اور وہ احادیث بھی پیش کی جو ان دونوں معانی پر (ان سب اقوال میں قوت صحت کے اعتبار) دلالت کرتی ہیں پھر فرمایا ہے کہ ان کا قول زیادہ ٹھیک ہے جنہوں نے اس آیت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ "اہل کتاب میں سے ہر ایک عیسی علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا" اور ہم نے ایسا اس لئے کہا کہ اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر مومن پر اہل ایمان کا حکم لگایا ہے اس کی میراث کے متعلق اور اس پر نماز جنازہ پڑھانے کے متعلق اور اس کے متعلق کہ اس کے نابالغ چھوٹے بچوں کو دین کے معاملے میں اس سے جوڑ کر مسلمان ہی سمجھا جائے پس ہر کتابی حضرت عیسی علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے تو یہ امر لازم آئے گا کہ اس کتابی کے چھوٹے نابالغ بچے یا بالغ بچوں میں سے وہ جو مسلمان ہیں صرف وہی اس کے وارث بن سکتے ہیں اور یہ بھی کہ اس پر بھی مسلمانوں کا حکم لگا کر باقی تمام مسلمانوں کی طرح ہی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور کفن دفن کا انتظام کیا جائے کیونکہ جس شخص کو موت آجائے اور وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لایا ہوں تو وہ اس حالت میں مرا کہ وہ محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا ہے اور جو کچھ اس کی زندگی میں تھا اس سب پر اس کی موت کے بعد وہ حکم لاگو کیے جائیں گے جو محمد ﷺ ان کی جان، مال اور چھوٹی بڑی اولاد

کے بارئ میں اللہ کی جانب سے لے کر آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کے معانی یوں ہوگا کہ (وہ ضرور ایمان لے آئے گا عیسی (علیہ السلام) کی موت سے پہلے اور یہ ان کے نزول کے وقت ہوگا)[1]

اس قول کی رو سے جو عیسی علیہ السلام پر ایمان لا یا وہ محمد ﷺ پر ایمان لانے والا بھی شمار ہوگا اور وہ مسلمان ہوگا اور اس پر میراث، نماز جنازہ، غسل اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین کے احکام لاگو ہونگے جبکہ یہ معنی مسلمانوں کے اجماع کے بر خلاف ہے کیونکہ جو بھی کتابی

---

(1) ابن جریر رحمہ اللہ کا قول بعض تصرف کے ساتھ نقل کیا گیا۔

مرتا ہے اس کے لیے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اب اگر یہ سب اجماع کے خلاف ہے تو آیت کا جو معنی مذکور ہے وہ باطل ہو جائے گا اور ابن جریر رحمہ اللہ کی نظر میں پہلی رائے جس کو انہوں نے قوت وصحت سے موصوف کیا تھا، اجماع اسکے سراسر بر خلاف ہے۔

یہاں تک ذکر کرنے کے بعد، اور ابن جریر کی ترجیح پر گفتگو کرنے سے پہلے، اس معاملہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ مفسرین میں سے ایک مفسر نے دو قول میں

سے ایک قول کا انتخاب کیا ہے جن کو اہل مائثور سے روایت کیا ہے اور کشاف کے مصنف نے بھی اسی قسم کا کلام اپنی کتاب میں مفصل ذکر کیا ہے جس کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے لہذا جو اس کو پڑھنا چاہے تو اسکا مطالعہ کر لے۔

اس سب سے واضح ہوا کہ :

1۔مذکورہ آیت کسی بھی ایک معنی پر قطعی دلالت نہیں کر رہی۔

2۔ابن جریر نے جس پہلے قول کو ترجیح دی ہے وہ غیر تسلیم شدہ ہے کیونکہ انہوں نے جس ایمان کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ایمان نافع ہے جو ایمان لانے والے کو فائدہ پہنچاتا ہے اور اس سے اس پر اسلامی احکام لاگو ہوتے ہیں لیکن جیسا کہ علماء کے یہاں مسلم ہے کہ اس ایمان پر اسلامی احکام مرتب نہیں ہونگے کیونکہ یہ وقتِ معین میں نہیں پایا گیا۔

3۔ جنہوں نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے ان کا نظریہ ہے کہ آیت کے اس جزء(وان من اهل الكتاب)اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت (الا ليؤمنن به قبل موته)میں واضح طور پر عموم ہے اور یہ بھی کہ موت مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان سب کے یہاں اجتماعی طور پر نافع نہیں ہے،ان (دوسرے قول کے اختیار کرنے والوں) کو ابن جریر کے قول سے اختلاف کرنا ہوگا اور ان کو

بھی امام نووی کی طرح ہی دوسرے قول کے بارے میں یہ کہنا پڑے گا(کہ یہ مذہب بہتر ہے)۔

اس سب کا حتمی نتیجہ یہ ہیکہ یہ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول پر ظاہری دلالت نہیں کررہی کجایہ کہ اس مد میں دلیلِ قطعی ہے!

دوسری آیت:

اس آیت کی تفسیر میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے قول (وانه لعلم للساعة) کی ضمیر حضرت محمد ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے یا قرآن کی طرف لیکن اس قول کو ہم مستبعد سمجھتے ہیں اور ہماری رائے یہ ہیکہ یہ ضمیر حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی بھی یہی رائے ہے اس لئے کہ اس سے سابقہ آیات میں حضرت عیسی علیہ السلام کا ہی ذکر چل رہاہے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ بعض مفسرین کے قول کے مطابق ہم یہاں ایک اور اختلاف پاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ :(''انه'' یعنی عیسی علیہ السلام کا نزول من السماء قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یا ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا یا ان کا مردوں کو زندہ کرنا اس بحث کے ٹھیک ہونے پر دلیل ہے)[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کی نشانی ہونے میں تین اقوال ہیں:

1۔ کہ اخیر زمانہ میں ان کا نزول قیامت کی علامت میں سے ایک علامت ہے۔

---

(1) تفسیر ابی السعود

2۔ کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قرب قیامت کی دلیل ہو سکتا ہے۔

3۔ کہ ان کا مردوں کو زندہ کرنا دوبارہ زندہ کیے جانے اور اٹھائے جانے کی دلیل ہے،

اور جب آیت میں یہ سب احتمالات آگئے جس کو مفسرین بیان کرتے رہتے ہیں یہ اس کے لیے کافی ہے کہ یہ نزول عیسی علیہ السلام پر قطعی نص نہیں بن سکتی اور ہم صرف اسی پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ قول ثانی (یعنی ان کا بن باپ کے پیدا ہونا قرب قیامت کی دلیل ہو سکتا ہے) کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی وجہ مندرجہ بالا وجوہات ہیں:

کہ اس آیت میں کلام اہل مکہ کے ساتھ کیا گیا ہے جو موت کے بعد زندہ کیے جانے
کے منکر تھے اور اس بات پر تعجب کرتے تھے اور قرآن کریم نے بہت سی آیات
اور سورتوں میں ان کی اس بات پر رد کیا اور ان کے دلوں سے شک کو نکالا ہے اور
قرآن کریم کا اسلوب یہ رہا ہے کہ ان کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کرتا رہا ہے جس
کو دیکھتے رہتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں، مثلا (اے لوگوں ! اگر تم دوبارہ زندہ
کیے جانے کے بارے میں شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے)(اور
آپ زمین کو دیکھتے ہو یہ مرجھائی ہوئی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں
تو وہ حرکت میں آتی ہے اور اس میں بڑھوتری ہوتی ہے)(پس آپ اللہ کی رحمت
کے آثار کو دیکھیے کہ وہ کس طرح زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے
بعد، بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے)اور سورہ زخرف کی مندرجہ
ذیل آیت اسی معنی کو بیان کرتی ہے (اور جس نے آسمان سے پانی اتارا ایک
اندازے کے ساتھ پھر ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم
نکالے جاؤ گے)

اور قرآن کا یہ طریقہ (یعنی ایسی چیزوں کی مثال دینا جس کو یہ دیکھتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں) ہی کسی چیز کے استدلال کے لئے اور دلوں سے شک کو دور کرنے کے لیے اصل ہے۔

البتہ اگر قرآن ان کی توجہ ایسی چیزوں کی طرف دلائے جن کی ان کو خبر بھی دے رہا ہوں جیسے نزول عیسی علیہ السلام جب کہ یہ معاملہ بذات خود ان کے یہاں مشکوک ہے اور ان سے مطالبہ کرے کہ اس کے ذریعے اپنے دلوں سے شک بھی نکال دیں تو یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ یہ تو یہاں ٹھیک نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام قیامت کے منکرین کے ساتھ ہو رہا ہے نہ کہ مومنین کے ساتھ جن کو اس کی علامات بتائی جائیں اور منکرین کو اسکی ذات پر دلیل کی ضرورت ہے۔

3۔ آیت کا ارب معنی وہ والا ہے جو ہم نے بیان کیا۔

لہذا اب جن آیات کو ان حضرات نے حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور منظور کے بارے میں ذکر کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انصاف پسند بندہ اگر ان کو اس نہج پر پڑھے جن کو ہم نے ذکر کیا اور ان کی تطبیق ان اصول و قواعد پر کرے جیسے ہم نے ذکر کیا اس کو اس میں کوئی تذبذب نہیں ہو گا (قرآن کریم میں حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع و نزول پر کہیں بھی

ظاہری عبارت سے غالب گمان بھی ثابت نہیں ہو رہا یہ تو دور کی بات کہ وہ اس پر قطعی دلالت کرے جس کو ہم عقیدہ کہہ سکیں، جس کے منکر کو کافر کہا جا سکے جیسا کہ ان حضرات کا دعوی ہے)

احادیث کے متعلق نظریہ:

اس کے متعلق ہم مختصر کہتے ہیں کہ یہ احادیث سب خبر واحد ہیں اور خبر واحد جتنی بھی صحیح ہو یقینی طور پر کسی ایسے عقیدے کو ثابت نہیں کر سکتے جس کے منکر کو کافر کہا جائے۔

اور مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو اپنی نسبت دین کی طرف کرتے ہیں اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر غیرت کا اظہار بھی کرتے ہیں اپنے پست مقاصد کی وجہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق وارد احادیث میں تلبیس اور ملمع سازی اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں، جن میں سے تحقیق کے وقت سب سے زیادہ گنجائش والی رائے کے مطابق بھی ایک بھی

روایت متواتر نہیں بن سکتی اور ان احادیث میں اکثر بلکہ تقریباسب میں شدید ضعف رواۃ اور متن میں اضطراب اور معنی میں نکارت پائی جاتی ہے اور آپ دیکھیں گے کئی لوگ کہتے ہیں یہ متواتر ہیں اس کو فلاں فلاں صحابی اور تابعین نے روایت کیا ہے اور متقدمین علماء کی کتابوں کے بارے میں کہتے ہیں کے فلاں فلاں کتاب میں یہ روایت مذکور ہے اور اگر ان میں سے کسی روایت میں ضعف یا اضطراب یا معنی میں نکارت پائے ہیں تو یہ کہہ کر جان چھڑا دیتے ہیں کے ضعیف روایت قوی سے مل کر درست ہو جاتی ہے اور یہ کہ متواتر احادیث کے راویوں میں "عدالت" شرط نہیں، اس طرح یہ حضرات ان روایات کو عظمت و پاکیزگی کا بوسیدہ پوشاک پہنا کر پیش کرتے ہیں جن کو علم میں کوئی رغبت ہے نا حق معاملے پر کوئی غیرت، بلکہ ان کا مقصد بڑائی اور سرکشی اور گمراہی پر اصرار ہے اور تاکہ عوام کے یہاں ان کو حفاظ اور محدثین کہا جائے!۔

اب ایک بات واضح کرنا باقی ہے: اور وہ یہ کہ اس باب کی روایات جہاں بھی ہوں وہ محکم روایات نہیں ہیں جن میں تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوں تاکہ ان کو قطعی الدلالت کہا جاسکے کیونکہ قدیم وجدید علماء نے ان میں تاویلات کی ہیں (شرح

المقاصد) میں وارد ہے کہ اس کے مؤلف نے یہ طے کر لیا کہ علامات قیامت کے متعلق تمام احادیث اخبار احاد ہیں،

مؤلف کی عبارت کچھ یوں ہے:

اہل شریعت کے یہاں ان روایات کو کوان کے ظاہری معانی پر محمول کرنا ممتنع نہیں ہے اور بعض علماء نے تاویل بیان کی حجاز سے نکلنے والی آگ کی تاویل علم و ہدایت سے کی ہے

خاصۃ فقہ حجازی مرادلی اور وہ آگ جو لوگوں کو ہنکا کر لے جائے گی اس کی تاویل ترکوں کے فتنے سے کی اور دجال کے فتنے سے کی اس کے شر اور فساد کی وجہ سے اور حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کی تاویل کی اس سب شرور کے دور ہو جانے اور خیر و بھلائی کے ظاہر ہونے سے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کے شیخ سعد "المقاصد" کے مصنف ان روایات کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا متعین نہیں کرتے اس طرح پر کہ وہ انکو قطعی الدلات قرار دیں جن میں کوئی تاویل نہیں چلتی، بلکہ صریح عبارت سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ (ان کو

ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا ممتنع نہیں ہے)اس طرح وہ ان لوگوں کے لیے بھی تاویل کا راستہ سہل کر دیتے ہیں جن کے ہاں تاویل کا کوئی سبب بنتا ہو پھر وہ ان علماء کے بارے میں بھی بتاتے ہیں انہوں نے اس روایت میں تاویلات کیں اور ان تاویلی معانی کو ذکر کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ایسا اسلئیے کیا کیونکہ وہ یہ مانتے ہیں کہ (جیسے کے تمام علماء جانتے ہین کہ بعض روایات تاویل کو قبول کرتی ہیں اور بعض نہیں)وہ یہ مانتے ہیں کہ ان احادیث کے الفاظ جس معنی پر دلالت کرر ہے ہیں وہ کوئی اسیا عقیدہ نہیں ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے، لہذا جسکو اسکی سمجھ کے مطابق لگے کہ ان کو انکے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس کے لیے بھی گنجائش ہے اور جس کو لگے کہ اسکی تاویل ہونی چاہئیے تو اسکے لیئے گنجائش ہے جیسے ہر ظنی روایت میں ہو سکتا ہے۔

اور یہ کہ کچھ گزرا اس سے جلی طور پر واضح ہوتا ہے کہ جن احادیث کو انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے آخر زمانہ میں نزول کے متعلق پیش کیا ہے ان میں کوئی روایت بھی قطعی نہیں ہے نا ہی اس کے متن کے لحاظ سے اور نا ہی دلالت کے لحاظ سے۔

تیسرا نظریہ اجماع کے متعلق:

اس مقام میں اجماع کے متعلق بات کرنا رہ گئی یہاں میں یہ ذکر کرنا پسند کرونگا کہ وہ اجماع جو لوگوں کے درمیان مشہور ہے کہ وہ اسلام کے اصول (بنیادوں) میں سے ایک اصل (بنیاد) ہے اسکے متعلق تو بہت شدید اختلاف وارد ہے:

علماء کا اس کی حقیقت، اسکے امکان اور اسکے ثابت ہونے میں اختلاف ہے پھر اسکے حجت ہونے میں بھی انکا اختلاف ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اجماع کا حجت ہونا کسی بھی دلیل قطعی سے معلوم نہیں تو وہ حکم جو اجماع سے ثابت کیا گیا ہو وہ کیسے کسی قطعی دلیل ثابت ہو سکتا ہے تا کہ اسکے منکر کو کافر قرار دیا جائے؟

پھر ہم کہنا چاہتے ہیں: کہ وہ لوگ جو اسکو بطور حجت لیتے ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع عملی احکام شرعیہ مین حجت بن سکتا ہے جبکہ حسی چیزیں جیسے علامات قیامت اور آخرت کے متعلق امور تو اسکے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ: (ان امور میں اجماع بطور اجماع معتبر نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کرنے والے لوگ غیب کا علم نہیں جانتے، بلکہ اس کے لحاظ سے معتبر ہوتا ہے جسکو اللہ غیب کے علم سے مطلع کرے پس یہ امور خبر دینے کے باب سے تعلق رکھتے ہیں تو ان پر انہی کا حکم لگائینگے اور نا ہی یہ اس مخصوص اجماع میں داخل ہوتے ہیں جو امت محمد ﷺ

کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ معنوی چیز جو مستقبل سے متعلق ہو اس میں اجتھاد کا کوئی دخل نہیں ہوتا پس اگر اس میں کوئی نص یعنی حدیث وارد ہو تو اسکا ثبوت اسی حدیث سے ہو گا اور اجماع کی اس میں کوئی ضرورت نہیں اور اگر اس میں کوئی حدیث وارد ہی نہیں ہوئی تو اجتھاد کی اس میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی)[1] اور اسی بنا پر وہ تمام احادیث جو قیامت کے حالات کے بارے میں بات کرتی ہیں بشمول نزول عیسی (علیہ السلام) کے وہ اپنی دلالت اور قطعی اور ظنی ہونے کے لحاظ سے فیصلہ کن اصول کے تابع ہیں۔

مسئلہ میں قدیم و جدید اختلاف:

اور اگر بالفرض ہم تسلیم کریں کہ علامات قیامت والی روایات کو اس اجماع کے تحت لے سکتے ہیں جس پر ان کی اصطلاح مقرر ہوئی ہے تو ہم کہیں گے کہ نزول عیسی علیہ السلام کے معاملہ میں قدیم و جدید زمانی سے اختلاف ہوتا آرہا ہے۔

قدیم اختلاف کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (مراتب الاجماع) میں بیان کیا، کہتے ہیں (ان کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اور ان کے بعد ہمیشہ کیلئے کوئی نبی نا ہو گا الا یہ کہ

---

(1) تحریر

عیسی علیہ السلام کے بارے میں ان کا اختلاف ہے کہ کیا وہ روز قیامت سے پہلے آئیں گے یا نہیں؟ جبکہ حال یہ ہیکہ عیسی بن مریم علیہ السلام تو محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے) اسی مضمون کو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مسلم اور شیخ سعد نے شرح المقاصد میں بھی ذکر کیا ہے اور ان کی عبارت کو ہم نقل کر چکے ہیں جو کہ واضح ہے کہ یہ مسئلہ ظنی مسئلہ ہے اپنے اسناد اور دلالت کے لحاظ سے اور جدید زمانہ میں استاذ شیخ محمد عبدہ اور سید رشید رضا اور استاذ اکبر شیخ مراغی

(اللہ ان کی مغفرت فرمائیں) نے ذکر کیا ہے، شیخ محمد عبدہ نے سورۃ آل عمران کی تفسیر ذکر کرتے ہوئے کہا (اذ قال اللہ یا عیسی انی متوفيك ورافعك الی) (کہ اس میں علماء کی دو رائے ہیں ایک تو وہ ہے جو مشہور ہے کہ ان کو جسمانی طور پر اٹھا لیا گیا اور اخیر زمانہ میں دوبارہ نازل ہونگے اور ہماری شریعت کے مطابق فیصلے فرمائینگے پھر اللہ تعالی ان کو وفات دینگے۔

اور دوسری رائے یہ ہیکہ معنی کو اسکے ظاہر پر محمول کیا جائے اور توفی کا وہی ظاہری معنی لیا جائے جسکی طرف ذہن سبقت لے جاتا ہے اور وہ

ہے موت اور اٹھایا جانا موت کے بعد ہوگا یعنی روح کا اٹھایا جانا) پھر وہ کہتے ہیں (کہ رفع و نزول کے قائل فریق کے اس باب میں دو توجیہات ہیں: ایک تو یہ کہ یہ اخبار آحاد ہیں جو عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں اور اعتقادی امور میں قطعی کے سوا کوئی دلیل نہیں لی جاتی اور یہاں تو کوئی ایک متواتر حدیث بھی نہیں، اور دوسری توجیہ میں نزول کی تاویل کرتے ہیں) ایسا ہی کلام شرح المقاصد کتاب سے بھی ذکر کیا ہے۔[1]

اور سید رشید رضا (اللہ ان کی مغفرت فرمائیں) سے تیونس میں کسی نے سوال پوچھا کہ (عیسیٰ علیہ السلام حالیہ کس حالت میں ہیں؟ اور انکا جسم اور روح کہاں ہے؟ اور آپ لوگ اس آیت (انی متوفيك ورافعك) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اگر وہ زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں سے زندہ اجسام کے بارے میں طریقہ ہے اسکے مطابق ان کو ان کی غذا کہاں سے ملتی ہے کیونکہ ہم انسانی جسم غذا کا محتاج ہے؟) تو سید رشید رضا نے اسکا تفصیلی جواب دیا

----

(1) الجزء الثالث من تفسیر المنار

جسکے بعض اقتباسات ہم ذکر کرتے ہیں:

آیات اور مفسرین کی آراء ذکر کرنے کے بعد انہوں نے کہا (خلاصہ کلام یہ ہیکہ کہ قرآن کریم میں کوئی صریح نص حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ انکی روح اور جسم کے ساتھ اور دنیاوی زندگی کے ساتھ اٹھائے جانے پر دلالت نہیں کرتا، تاکہ ان کو اللہ کی جاری عادت کے مطابق غذا کی ضرورت پڑے سو پوچھنے والے ان کی غذا کے بارے میں پوچھیں اور نا ہی ان کے آسمان سے نزول پر کوئی صریح نص موجود ہے بلکہ یہ تو نصاریٰ کا عقیدہ ہے جسکو یہ ظہور اسلام کے زمانے سے مسلمانوں میں پھیلانا چاہتے ہیں) پھر انہوں نے ان احادیث کے بارے میں کلام کرتے ہوئے کہا (یہ مسئلہ اختلافی ہے حتی کہ رفع مسیح بمع روح اور جسم الی السماء میں جو روایات منقول ہے ان میں بھی اختلاف ہے)

جبکہ استاد اکبر شیخ مراغی (اللہ ان کی مغفرت فرمائیں) نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے اور ان کا قول ہی ہمارے فتوی کا باعث بنا انہوں نے کہا: (قرآن کریم میں عیسی علیہ السلام کا بمع روح اور جسم کے اٹھائے جانے پر اور ان کا آسمان میں زندہ موجود ہونے پر کوئی صریح نص موجود

نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اسکا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو وفات اور موت دی پھر ان کو اٹھایا اور وفات کے بعد رفع کا معنی رفع درجات عند اللہ ہے جیسا کہ ادریس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا" ورفعناہ مکانا علیا" اور اس آیت کا ظاہری معنی بعض مسلمان علماء نے لیئے ہیں تو اسکا مطلب ان کے یہاں ان کو عادتاً موت دینا ہے پھر ان کے درجات کو بلند کرنا لہذا وہ روحانی طور پر زندہ ہیں جیسے شہداء اور انبیاء کا زندہ ہونا لیکن جمہور علماء اسی قول کو لیتی ہے کہ اللہ نے ان کو جسم اور روح کے ساتھ اٹھالیا تھا اور ابھی بھی وہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آیت کی یہ تفسیر کی جاسکتی ہے) پھر شیخ مراغی نے کہا (لیکن یہ احادیث اپنے درجہ میں متواتر احادیث تک نہیں پہنچ پاتیں جن کے ذریعے سے کسی مسلمان پر عقیدہ واجب کیا جاسکے جبکہ عقیدہ قرآنی نص یا حدیث متواتر کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا) پھر کہا: اس بناپر کسی مسلمان کو یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہئیے کہ عیسی علیہ السلام اپنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور جو اسکا مخالف ہو گا وہ شریعت اسلامیہ میں کافر سمجھا جائے گا۔)

یہ تمام نصوص مذکورہ صحیح نصوص ہیں جس میں قدیم وجدید دور کے علماء یہ ثابت کررہے ہیں کہ حیات عیسی علیہ السلام کا مسئلہ اختلافی ہے اوراس کے بارے میں مذکورہ آیات کا معنی وہی ظاہری معنی ہے یعنی موت حقیقی اور جو احادیث اسکے بارے میں وارد ہیں وہ سب خبر واحد ہیں جن سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا اسکے ساتھ ساتھ ان آیات میں تاویل بھی کی جاسکتی ہے اور اگر کوئی مسلمان مسیح علیہ السلام کے رفع اور نزول کا انکار کرے اسکو کافر نہ ٹھہرایا جائے گا۔اس سب کے بعد جس اجماع کا زعم یہ لوگ کررہے ہیں وہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے ؟؟[1]

(شیخ محمد شلتوت کا فتوی اختتام پذیر ہوا)

---

[1] اس مد میں ہماری کتاب (الاسلام عقیدہ وشریعۃ فی فصل طریق ثبوت العقیدۃ) جس میں ہم نے عقیدہ کے قرآن وحدیث اور اجماع سے ثبوت کے متعلق لکھا ہے اسکا مطالعہ اہم ہو گا۔

شیخ محمد شلتوت کا فتوی اجمالا مندرجہ ذیل آراء پر مشتمل ہے:

1۔ قول باری تعالی (انی متوفیك) میں اللہ تعالی کی عیسی علیہ السلام کو توفی دینے کا مطلب موت اور انتہائے حیات ہے۔

2۔(ورافعك الی) سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام کا رفعِ شان مراد ہے نا کہ رفعِ جسم الی السماء (یعنی آسمان کی طرف بمع جسم کے اٹھایا جانا)

3۔ رفع عیسی علیہ السلام کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں (وہ سب مضطرب روایات ہیں ان کے الفاظ اور معانی میں بہت اختلافات ہیں جن میں تطبیق کرنے کی گنجائش نہیں، اس بات کا ذکر علماء حدیث نے بھی کیا، اسکے ساتھ ساتھ وہ وہب بن منبہ اور کعب احبار (رضی اللہ عنھما)
سے منقول ہیں جبکہ وہ اہل کتاب ہیں)

4۔ مسلمانوں کے وہ علماء جو حضرت عیسی علیہ السلام کے بمع جسم کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں (ان کی دلیل حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں محض عیسی علیہ السلام کے نزول کے بارے میں خبر دی گئی ہے، اب اگرچہ یہ حدیث صحیح ہو پھر بھی یہ خبر واحد ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی غیبی امور میں اس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے)

5۔ان کی دلیل (حدیث معراج بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ آسمان میں چڑھنے لگے تو ایک ایک آسمان کے دروازے کھلواتے رہے جو انکے کیلئے کھلتے رہے اور وہ ان کے اندر تشریف لے جاتے رہے وہاں انہوں نے دوسرے آسمان میں حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے خالہ زاد بھائی یحیی علیہ السلام کو دیکھا اور اس قول کے ضعیف ہونے میں حدیث کے شارحین کی معراج اور آپ ﷺ کی انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے ملاقات کے بارے میں کی گئی تقریرات کافی ہیں کہ یہ اجتماع اور ملاقات روحانی تھی نہ کہ جسمانی۔

6۔شریعت میں اجماع کی کوئی حیثیت و ثبوت نہیں۔

7۔علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا اور غیبی امور میں خبر واحد کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

8۔اور اسکے سوا بھی انہوں نے بہت سے تناقضات اور کھوٹی آراء کا ذکر کیا ان سب کو جاننے کے بعد ہم آپ کے سامنے امام کوثری رحمہ اللہ
کی کتاب کا ذکر کرتے ہیں جو انہیں نے اس فتوی کے جواب میں لکھی۔

نظرة عابرة فی مزاعم من ینکر
نزول عیسی (علیہ السلام) قبل الآخرة

عیسی علیہ السلام کے قیامت سے قبل نزول کے منکر کی ذات پر ایک عبوری نظر

بقلم استاذ محمد زاہد الکوثری (رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد!

دین اسلام پر حرص رکھنے والے ہر غیور مسلمان کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن سے امت خیر کی تمنار کھتی ہے تا کہ وہ دین کی حفاظت کر سکیں اور مسلمانوں کو یکجا اور متحدر کھیں وہی لوگ اپنی تمام تر لسانی صلاحیتوں سے اسی امت کو ان اعتقادی، عملی اور اخلاقی مسائل میں شک میں مبتلا کرتے ہیں جن کو انہوں نے ابتداءِ اسلام سے آج تک پایا ہے اور ان کو دفعتاً کچھ نئی تعلیمات کی طرف متوجہ کر کے منتشر اور حیران وپریشان کرتے ہیں کہ وہ نئی چیز کو اپنائیں یا پرانی پر ہی قائم رہیں پھر وہ آپس میں ایسی باتوں کا تبادلہ کرتے ہیں جو اللہ تعالی اور اسکے رسول (ﷺ) کو ناپسند ہیں یوں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دین کی تجدید کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہر قسم کی تجدید امت کی شان کو اونچا کرتی ہے، حالانکہ نفع بخش تجدید تو یہ ہے کہ کائنات کے رازوں سے نئی چیزیں دریافت کرلے پھر ان کو زندگی کے فوائد میں استعمال کرلے اور اخلاقی گراوٹ اور مذہبی تذبذب کی وجوہات کو ختم کر کے معاشرے کے امور میں اصلاح کرلے اور اس طرح تجدید حقیقت میں امت کی شان کو اونچا کرتی ہے اور اسکو خود مختار بنا کر ہر ایک سے مستغنی کر دیتی ہے اور پھر اسکے ذریعہ سے امت میں اپنے اسلاف کی شرف وعزت کو واپس لوٹانے کا جذبہ ابھارتی ہے، آپ کو اس طرح کے عروج کی مخالفت کرنے والا کوئی نہ ملے گا بلکہ ہر

مجلس میں اس کی حوصلہ افزائی، تعریف اور قدر دانی کی جائے گی، جبکہ امت کے ابتداء سے آج تک قائم عملی اور اعتقادی مسائل میں اصلاح اور تجدید دین کے نام پر وقتا فوقتا ردو بدل اور تبدیلی کرنا بنیادی طور پر کسی قسم کی خیر و بھلائی کا ذریعہ نہیں ہے اور اللہ کی کتاب جس طرح نازل کی گئی تھی بعینہ اسی طرح محفوظ ہے اور حفاظ حدیث نے سنت نبوی کی بھی ہر دور میں حفاظت کی ہے اور تمام متفقہ اور مختلف فیھا مسائل کو بھی ہر زمانہ میں کتابوں میں مدون کیا گیا ہے، کوئی بھی بحث کسی قسم کی تحقیق کی محتاج نہیں ہے سوائے یہ کہ اسکو جان کر اس پر مطلع رہا جائے اور اسی طرح تمام قرآن کریم سے متصل علوم کا معاملہ ہے۔

لہذا ایسا دین جسکی کتاب اور اسکے رسول کی سنت اور مسائل دین اور تمام کتابیں محفوظ ہیں جیسا ہم نے ذکر کیا اسکو کسی قسم کی جدت کی ضرورت نہیں ہے اور جو اسکا انکار کرے وہ دین اسلام اور نصرانیت کی تاریخ سے لا علمی رکھتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نامناسب موازنہ کرتا ہے اور عقائد اور علمی احکام کے ساتھ کھلواڑ کرنا امت کے شان کو اونچا ہرگز نہیں کرتا بلکہ اسکا سر نیچا کر دیتا ہے اور اسکی وجہ سے وہ (امت) اعتقادی عملی اور اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتی ہے لہذا تجدید کرنے والے خود پر بھی رحم کریں اور امت پر بھی اور دینی احکام کے ساتھ ساتھ

چھیڑ چھاڑ کرنا چھوڑ دیں، سوان کو کافی ہو گا کہ علوم اسلامیہ کا وسیع علم حاصل کریں اور اسلامی سرمایہ کی کماحقہ حفاظت کریں اس میں کسی قسم کی تغییر اور تبدیلی کیئے بغیر ایسا کر کے وہ ہر قسم کی تعریف اور شکر گزاری کے حقدار ہونگے اور دین ایسا نہیں ہے کہ اسکو روزانہ تبدیل کیا جائے لیکن اگر وہ مفسدین کی خواہش کی بنا پر مختلف طریقوں سے اپنے شعار، عملی اور اعتقادی احکام کو تبدیل کرنے پر مصر ہوں تو اللہ تعالی کی سزا اور مسلمانوں کا غصہ ان پر پڑنا دور نہیں۔

گذشتہ سال کچھ مشائخ نے دین کے کچھ مضبوط اصولوں پر بڑی زیادتی کے ساتھ کلام کیا[1] پھر اہل علم نے ان پر رد کیا اور حق کو خوب واضح کیا اور اب وہ (شیخ شلتوت) ایک بار پھر اپنی غلطی دہرا رہے ہیں اور مسلمانوں کے عقیدے کے بر خلاف "الرسالۃ" نامی رسالے میں مضامین لکھ کر حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ رفع اور اخیر زمانہ میں ان کے نزول کے منکر ہیں، اپنے ان مضامین سے وہ صحیح راستے اور علمی اصول و قواعد سے دور ہو گئے ہیں اور عوام کو ان کے عمل اور عقائد میں شک میں مبتلا کر رہے ہیں۔

ان کااشارہ شیخ محمود شلتوت کی طرف ہے جن پراس کتاب کے ذریعہ سے رد کیا گیا ہے انہوں (شیخ شلتوت) نے "رسالۃ" نامی رسالے میں (شخصیات الرسول) کے نام سے بہت سے مضمون لکھے جن میں انہوں نے بہت غلط بیانی سے کام لیا جس پر امام شیخ خضر حسین، جو بعد ازاں جامعۃ الازہر کے شیخ بنے اور بہت سے علماء نے رد کیا یہاں امام کوثری کا اشارہ شیخ شلتوت کی ان مضامین و مقالات میں غلطیوں کی طرف ہے)

مجھے نہیں معلوم کہ ان کو انکار کرنے کی کیا حاجت تھی یا ایسا کونسا فائدہ تھا جو ان کی نظر میں امت کے عقیدے پر حملہ کرنے سے ان کو حاصل ہو جانا تھا؟

اور اگر انہوں نے اپنی رائے کے خلاف ثبوتوں کے باوجود اپنا اختلاف ظاہر کیا تو وہ اپنے فتوی کو بصیغہ راز فتوی پوچھنے والے کو دے سکتے تھے جیسے ان کے شیخ (شیخ الازہر) نے کیا، لیکن جب انہوں نے اسکی تشہیر کی اور علی الاعلان اسکو بیان کیا اور اس پر اصرار اور عناد کا اظہار کیا تو اب ہم ان گونگے شیاطین کی طرح رہنا پسند نہیں کریں گے جو باطل کو باطل قرار نا دیں سو ہم کچھ ابواب سے ان کی تلبیسات اور مشکوک باتوں پر اللہ کے حکم سے رد کریں گے اور وہی توفیق دینے والا ہے۔

محمد زاہد الکوثری

"اما سئموا من النزول"

کیا یہ لوگ نزول (عیسی علیہ السلام) سے مایوس نہیں ہو گئے ؟؟

حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول سے انکار کرتے ہوئے ایک جھوٹے فتوی پر
اصرار سے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عقیدہ کی حفاظت کرنا
لازمی ہو گیا اور اگر یہ بات نا ہوتی تو ہمیں یہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔
بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا بوجھ اٹھانے کیلیئے قدم رکھنے کی جگہ نہیں
پاتے ایسے لوگ جب بھی پھسل کر گرنے کے بعد اٹھنا چاہتے ہیں تو بجائے اٹھنے
کے مزید گرتے چلے جاتے ہیں، ان حملہ آوار استاد کی طرح کہ آپ دیکھیں گے کہ
جتنا یہ اسلاف سے موروث اس عملی اور اعتقادی مسئلہ کے انکار کا دفاع کرنے کی
کوشش کریں گے اتنا ہی انکی پریشانی، الجھن اور گھٹیا پن بڑھتے چلے جائیں گے۔
"الرسالۃ" نامی رسالے میں "514" نمبر پر انہوں نے ایک مضمون لکھا جس
سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو (نزول عیسی علیہ السلام) کے معاملے میں اپنی
الگ تھلگ رائے کی طرف متوجہ کریں، مع اس کے کہ اہل حق نے دلائل سے ان
کو موت بھی دے دی اور قبر میں بھی دفنا چکے جبکہ کانا دجال بھی عیسی علیہ السلام
کے نزول کے اعتراف سے انکار نہیں کر سکتا جب وہ ان کو اپنی بقیہ سالم آنکھ سے
نازل ہوتا دیکھے گا اگرچہ اس کی وحی کا معترف نہ ہو گا۔

اور انسان کا بد ترین حال یہ ہوتا ہے کہ اسکو جماعت کے عقیدے کے خلاف چلنے کا ادراک بھی نا ہو سکے ایسے میں وہ حق کو قبول نا کر کے اپنی سر کشی اور لڑائی کی وجہ سے مزید تنزلی کا شکار ہو تا جاتا ہے اور اہل حق کی جماعت اسکو اسکی بیماری کا احساس دلاتی رہے اس کہاوت کی طرح (میں نے ان کو گالی دی انہوں نے بدلے میں اونٹ دیئے) اور وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ ہم کوئی جوابی کتاب نہیں لکھ سکتے ہاں شاید ان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ مطمئن ہو سکیں!

اور حق کو دبانے کیلئے ان کی اشتعال انگیزی کی دلیل یہ ہیکہ اہل حق کہ وہ لوگ جو ان کے باطل قول پر رد لکھے انکے دلائل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کو ایسی کتابوں اور رسالوں میں شائع کیا گیا کہ جن پر کسی عالم کی نظر نہیں پڑتی!! کتنی گری ہوئی بات ہے!! اسطرح وہ اپنے بارے میں اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ عالم نہیں، کیونکہ جس رسالے میں ہم لکھتے ہیں اسی کے لکھاریوں میں سے ہیں، وہ اس رسالے میں بارہا یہ خود لکھ چکے ہیں اور اسکی تعریف بھی کر چکے ہیں، اور اسی رسالے میں اپنے اقوال پر ہونے والے رد بھی دیکھتے رہے اور ان کا جواب دینے کی

کوشش بھی کی، تو وہ اس سب کو دیکھتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کو موت آجائے، اوران کا یہ اقرار ایک ایسی حجت ہے جو اقرار کرنے والے پر ہی منحصر ہوتا ہے اور اپنی ذات پر وہ جو چاہے اقرار کریں۔

اور جب انہوں نے اعتراف کر لیا کہ وہ عالم نہیں ہیں تو وہ کیسے خود علمی مباحث میں ٹانگ اڑاتے ہیں؟ یا ان کو کیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں پر جاہل ہونے کا حکم لگائیں؟؟ اور ان کو جاہل قرار دینا ایک جاہل کا کام نہیں کہ جاہل کی جہالت تو دنیا والوں کو معلوم ہوتی ہے، ہاں وہ اندھا اور بہرا جاہل (جو کسی چیز سے لاعلم / جاہل ہو اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہو اور اسکے ساتھ ساتھ یہ سمجھتا ہو کہ وہ ہر عالم کے علم سے بڑھ کر جانتا ہے) وہ پوری کی پوری امت اول اسلام سے لیکر آج تک سب کو جاہل قرار دینے سے بالکل نہیں جھجکے گا وہ ایسے مسئلہ میں جس پر پوری امت کا اجماع ہو اور اہل حق کی جماعت سے ہٹ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالے۔

ہاں اگر ان کی نظر میں عالم وہ ہے جس کو فقہ کا الہام (ہیگ) سے اور عقیدے کی وحی (قادیانی ولاہور)(1) سے آتی ہو تو وہ رسالے اور کتابیں جن میں یہ احکام اور

عقیدے درج ہیں توان رسالوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان پر اس مذکورہ قسم کے عالم کی نظر نہیں پڑی ہو گی (یعنی قادیانی اور لاہوری)۔

اور اللہ نے ان سے ان کے مضمون کی ابتدا ہی میں ایسی آیت کہلوائی جو مکمل طور پر خود اسی شخص پر ٹھیک بیٹھ رہی تھی جو جماعت سے الگ اپنی رائے لے کر بیٹھ جائے۔ اگر وہ سوچتے اور غور کرتے۔

اب صحابہ ،تابعین، ائمہ فقہ و حدیث و تفسیر و توحید سب کے سب ایک طرف جبکہ ان کی تائید قرآن کریم، حدیث اور اجماع کرتی ہے اور یہ غیر منصفانہ معانی ایک طرف (جن کی تائید معول کا مدعی ثبوت قادیان میں اور طرۃ کا فلسفی پرانے زمانوں میں کرتا ہے !!)

یہ تو بڑا ہی عجیب منظر ہے !! اور اس سب کے باوجود یہ خود کو ہی

---

(1) قادیانی شہر کی طرف اشارہ ہے جن کے حق میں شیخ شلتوت کا فتوی تھا

مبنی بر حق متقی، نیک وپرہیزگار، بردبار اور حکیم سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے علماء کی جماعت کو صدیاں گزر جانے کے بعد باطل، حد سے گزر جانے والے حشویۃ (ایک ظاہر پرست فرقہ جو جسمیت باری تعالیٰ کا قائل ہے) سمجھتے ہیں !! تو اس قسم کے بندے

سے مجھے تعجب ہوتا ہے کہ وہ دلیل و حجت کی بات کرے جبکہ خود وہ علم کے ہر قسم کے معیار اور فہم و فراست کے ہر میزان کو قدموں تلے روند چکے ہیں!!

پس تعریف اس ذات کی ہے جو صلاحیتوں کو تقسیم کرتا ہے۔

لہذا جیسے انہوں نے حدیث کے معانی پر جرات کی اب یہ جاننا ضروری ہے کہ انہوں نے جن کا ذکر کر کے مسئلہ کو ان پر منحصر کیا ہے وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے متعلق دلائل شرعیہ کی رو سے ان کے ذمہ کو بری نہیں کرتا، لہذا ہم قدم باقدم ان کی ہر بات کی گرفت کریں گے اور اللہ کی توفیق اور تائید سے ان کا صراط مستقیم سے انحراف بھی ان کو دکھائیں گے کہ کیسے باطل حق کے دلائل کی بجلیوں تلے مٹتا ہے، تب تک جب تک وہ حق کا اعتراف نا کر لیں۔

کہاوت ہے کہ: شیطان کوئی زندہ عاقل مخلوق نہیں بلکہ پورے عالم میں پھیلنے والے شر کی قوت ہی دراصل شیطان ہے۔ باطنی فرقے کی رائے کے مطابق۔

اور وہ (شیخ شلتوت) اکثر بلکہ سب کی سب سنتوں سے الگ ہونے کیلیئے سنت کی کئی اقسام بتاتے ہیں، لاہوری فرقہ سے قرب حاصل کرنے کیلیئے جو کہ سنت کے منکر ہیں اور جمعہ کے دن عید کی نماز پڑھنے والے کیلیئے ظہر کی نماز کے معاف ہونے کے

قائل ہو کر ظہر کی فرضیت کو لغو کر دیتے ہیں ان نام نہاد قادیانی احمدیوں کی اتباع میں جو قادیان میں مغلوں کے مدعی نبوت کے پیروکار ہیں ان کا مقصد عوام کو سالہا سال عقیدے میں شک میں مبتلا کرنا ہے اور وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے وفات ہو جانے اور اخیر زمانہ میں ان کے نزول کا انکار کرنے کی طرف بلاتے ہیں۔

(اور لوگ ابھی تک نہیں بھولے ان کے شیخ کے اس کلام کو جو انہوں نے (الصاعقة) اور (الجامعة الاسلامية) اور (الفتح) میں کیا تھا اور نا ہی ان فقروں کو جو انہوں نے ہندی بعثت کے بارے میں کہے تھے (یعنی مرزا قادیانی کی بعثت) اور ان کے ساتھی دین اسلام کے نام پر

ان کے معبود کا (ایک مچھر کے پر بیٹھنے کے قائل نہیں) اور حق تعالی کی ذات کیلئے اٹھنے بیٹھنے، چلنے، حرکت، نقل مکانی، استغراق مکانی، حد، جہت اور مکان کے قائل نہیں جو کہ حشویہ کا عقیدہ ہے۔

(ان کے چھوٹے) ہی یہ سب کرتے ہیں اور جس فعل کا ارتکاب انہوں نے کیا ہے اس پر شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ اہل حق سے دشمنی پر اس کلام کو پھیلاتا ہے اور دین کی حفاظت کے نام پر ان کو دین کے بنیادی اصولوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے دیتا ہے اور اسکے بدلے اسکو کندھوں پر اٹھایا جاتا ہے اور امانت دار چوکیدار کا خطاب دیا جاتا ہے

! عقل اس معاملے کی تعلیل کرنے سے قاصر ہے خصوصاجب یہ ایسے ملک میں ہو جس میں علم کا بول بالا ہو۔ یہی نہیں ان کی جراءت اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ عنداللہ معاملہ کی گواہی دینے لگے۔ گویا کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے اور اخیر زمانہ میں ان کے نزول کے منکر کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کے یہاں اسکے مومن ہونے میں کوئی شک نہیں، اسطرح تو تمام مسلمانوں کی جماعت کا ازل سے جو عقیدہ ہے یہ اسکے بالکل خلاف ہے، ان کا یوں کہنا صورت حال کو بری طرح مسخ کرنا ہے اور شرعی طریقے پر استدلال کرنے کے

اصول سے انتہائی لاعلمی کا ثبوت ہے، اور مجھے نہیں معلوم کے مسلمانوں کی جماعت کے برخلاف اس عقیدے کی وحی ان کو کہاں سے آئی ؟؟

اور میں ان کو مشورہ دونگا کہ وہ ان مقالات سے غافل نا ہوں جو انہوں نے مجاہدین کے آنکھوں کی ٹھنڈک، سیف المناظرین علامہ شیخ الاسلام

(اللہ ان کے علوم سے مسلمانوں کو سیر اب کریں اور خیر وعافیت کے ساتھ انکی عمر دراز کریں) کی طرف لکھے ہیں [1] اور اپنے اٹکل پچو سے ان کی طرف کسی بھی کلام کی نسبت کرنا چھوڑ دیں کیونکہ حضرت اس قسم کے کلام کرنے کے عادی نہیں جس قسم کی جراءت وہ (شیخ شلتوت)

کرتے ہیں، انکی شخصیت تو اس زمانہ میں دلیل کا حامل ہے، یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے بریان ابناسی ابن الھمام رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کرتا تھا اور پھر ان کے علمی دبدبہ کے تحت ہر باطل پرست مٹ جاتا تھا لہذا ان کی طرف سے ادبی جواب اس سرکش اور ظالم شخص کے منہ پر ایسا تھپڑ ہو گا

---

(1) انکی مراد شیخ الاسلام مصطفی صبری ہیں، جو دولت عثمانیہ کے آخری علماء میں سے تھے، انہوں نے مصر میں ہجرت کر کے وہاں قیام کیا اور شیخ محمود شلتوت کی کچھ شذوذات پر اپنے فصیح و بلیغ قلم سے رد بھی لکھا۔

جو بعد میں آنے والوں کیلئے مثال بن جائے گا۔ اور ان صاحب کا جماعت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جبکہ وہ خود (شوشتہ) میں ڈوبے ہوئے انسان ہیں جس سے جان نہیں چھڑا سکتے اور نا ہی جہاں وہ گر چلے اس سے اٹھ پا رہے۔ لہذا ان کا سب سے پہلا فرض یہ بنتا ہے کہ جس کھلی ضلالت میں وہ پڑ چکے ہیں پہلے اس سے تو نکلیں نا یہ کہ بنا کسی ضرورت کے کسی عقیدے کا دفاع کرتے پھریں اور نفی کی گواہی دیں ایک ایسے مجہول معاملہ کی جو وہ خود کو بھی سکھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی جبکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اور ایک جماعت جو ایک ایسے شخص کی تعمیل کرنے سے انکار نہیں کرتی جو سالہا سال پرانے عقیدے کا مخالف بن بیٹھا ہے اسکو (نقض) نامی کتاب سے اخذ کیا ہے جو کفریہ عقائد سے بھری ہے جسکی اشاعت رسالہ "اسلام" میں 45/44 نمبر کے تحت ہوئی، اور انہوں نے اسکو نشر کرنے اور پھیلانے مین کوئی عار محسوس نہیں کی: اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے قول (وخاتم النبیین) میں دس احتمالات پائے جاتے ہیں!! اور یہ کہ (لانبی بعدی) کی حدیث خبر واحد ہے جو کوئی فائدہ نہیں دیتی اور اجماع بھی اپنے امکان، ثبوت اور حجت ہونے کے اعتبار سے بس ایک کلام ہے!!

حالانکہ ان دس احتمالات پر غور کیا جائے تو ان کا تعلق ائمہ دین میں سے کسی امام کے ساتھ نہیں، بلکہ یہ بعض بدعتی گروہ کی کارستانی ہے جس میں بعض فلسفیوں نے ان کی پیروی کی ہے اور مقلدین کی جماعت نے بھی ان کی ہمنوائی کی، جسکی جانچ اسکے مقام پر کی گئی ہے اور دلیل لفظی کو مطلقا ظنی دلیل کہنا باطل ہے اس کے دلائل بھی اسکی جگہ تفصیلا ذکر کئے جائیں گی۔ اور جسکو سنت کے بارے میں کوئی علم نا ہو وہ اسکو ہر ممکن طریقے سے باطل قرار دینا چاہتا ہے اس سنت کے عملا متواتر ہونے کو باوجود انتہائی آسانی سے کہہ دیتا ہے کہ یہ تو خبر واحد ہے جیسے شیخ

(شلتوت) صاحب نزول عیسی علیہ السلام اور حدیث لا نبی بعدی کے بارے میں کہہ رہے ہیں باوجود اس کے کہ حدیث کا علم رکھنے والے یہ جانتے ہیں کہ ان احادیث کی اسانید کثرت سے موجود ہیں۔

نزول عیسی علیہ السلام کی احادیث کے متواتر ہونے کی صراحت ابن جریر، آبری، ابن عطیہ، ابن رشد الکبیر، علامہ قرطبیؒ، ابو حیان، ابن کثیر اور حافظ ابن حجر رحمھم اللہ جیسے حفاظ نے کی ہے اور وہ پایہ کے اہل علم ہیں اسی طرح علامہ شوکانی، صدیق خان اور کشمیری صاحب نے بھی اپنی کتابوں میں اسکے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور ان دین کے ڈھانے والے لا مذہب فرقے کے پیرو آسانی سے اجماعی مسائل کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ: بے شک اجماع اپنے امکان اور ثبوت اور حجت ہونے کے اعتبار سے ایک عام کلام ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، اگر ایسا ہے پھر تو دین کا نام لے کر کوئی بھی کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔

اور اسلام کی عظیم شخصیت (یعنی: شیخ الاسلام مصطفی صبری) نے ان لوگوں پر تنقید تب کی جب ان کے نصوص کو غور سے پڑھا اور پھر یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کے

ہاتھ سے نکل جاتے انہوں نے اپنی کتاب (الخیر الیقین) میں ٹھوس حقائق کے ساتھ ان پر رد لکھے۔

الگ رائے رکھنے میں جن کا ثانی نہیں (شیخ شلتوت) ان کے خیال میں حضرت مصطفی صاحب کے کلام کی وجہ ان کے دل میں چھپی کینہ ہے حالانکہ وہ اللہ کی ذات کیلیئے نفرت کے سوا کچھ نہیں اور ان کی سوچ تمام قسم مادّی اور علاقائی اور ہر قسم کی جہالت سے برتر ہے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ختم کر دیا تھا کیونکہ اسلام کسی مادہ یا خاص خطے کے لیئے نہیں بلکہ انتہائی اعلی بنیادوں پر شامل اخوت اور بھائی چارے کا نام ہے اور یہی مثال علم کی ہے کہ وہ کسی قبیلے یا ملک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ علم ایسا نور ہے جو ہر مکان کو شامل ہے۔

لہذا آپ حضرت والا (مصطفی صبری رحمہ اللہ) کو اس قسم کی جہالت سے بری پائیں گے بلکہ وہ مبطل کو مبطل ہی کہیں گے چاہے وہ جو بھی ہو اور باطل کو باطل کہتے ہیں چاہے وہ کہاں بھی ہو، ہاں استاذ امام محمد عبدہ کے بارے میں انہوں نت جو کچھ کہا وہ اسلیئے کیونکہ وہ ترکمانی الاصل تھے (انہی کے قبیلے سے) جیسا کہ حضرت شیخ خود

بھی اسکی تصریح فرمایا کرتے تھے جسکی گواہی (المنار) کتاب کے مصنف اپنی کتاب کی آٹھویں جلد (ص#379) میں اور محترم وزیر حکیم مصطفی عبدالرزاق پاشا اپنے مقدمہ (العروۃالوثقی) میں دیتے ہیں۔

جہاں تک بات شیخ محمد عبدہ کی ہے تو ان کی کچھ اپنی خصوصیات ہیں وہ اپنے زمانے کے شیوخ میں کتابت، انتظام وانصرام اور امور کی تدبیر میں ایک منفرد شخصیت تھے اور کام کو ایسے طریقے سے کرتے کہ اسکا فائدہ سارے معاشرہ کو پہنچے اور ان کے دوست لارڈ کرومر نے ان کی وسعت علم اور ذہانت کی تعریف کی اور ان کے مریدوں کی بھی تعرف کی کہ (وہ ہر قسم کی حوصلہ افزائی اور ہر ممکن طریقے سے مدد کیئے جانے کے مستحق ہیں کیونکہ وہ یورپی مصلح کے حقیقی خلفاء (نائب) ہیں)!

اور انہوں نے شیخ عبدہ کے بارے کہا (وہ عرابی فتنہ کے قائدین میں سے تھے پھر جب سنہ 1883ء میں مصر آیا تو وہ ناپسند کیئے جاتے تھے لیکن خدیوی توفیق پاشا (عفاعنہ) نے انگریز کے اصرار پر ان کی بات مانتے ہوئے ان کو بطور جج مقرر کیا جہاں انہوں نے بہترین کام کیا اور اس امانت کا حق ادا کیا)۔

اور یہ بھی کہا کہ (میں نے بہت سال تک محمد عبدہ کی ہر وہ خدمت کی جو

میری استطاعت مین تھی اور بد قسمتی سے ان کو خدیوی توفیق پاشا سے شدید اختلاف تھا اور اگر انگریز ان کی پر زور تائید نا کرتے تو وہ منصب افتاء پر باقی نہ رہ پاتے)!

اور لارڈ کرومر کی تصدیق شیخ صاحب کے وکیل قانون نے بھی کی، کہا کہ (انہوں نے ہمارے لیئے قانونی شوریٰ کونسل میں بے حساب عظیم خدمات انجام دیں ،خاص طور پر اخیر میں سزاوں کے متعلق اور دیگر قانونی معاملات میں اصلاحات بھی اس میں شامل ہیں)!!

اور لارڈ نے یہ بھی کہا کہ (اور 1899ء میں ان کو افتاء کے عظیم منصب پر ترقی دی گئی پھر اس منصب میں ان کا مشورہ اور رائے بہت اہمیت کا حامل رہا کیونکہ وسعت عقل اور شدت ذہانت کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی و شرعی علوم میں انتہائی پختگی حاصل تھی) پھر انہوں نے مثال کے طور پر پر سیونگ بینک کے ذریعہ مال کی بڑھوتری کا فتویٰ ذکر کیا۔

اور حضرت شیخ اور لارڈ کرومر کے مابین دوستی بڑھتی چلی گئی ان دونوں نے ایک دوسرے کو خوب جان لیا پھر اگران جیسے بندے نے کچھ زوایا

سے شیخ صاحب کی تنقید کی ہے تو اس میں ان پر کسی غرض یا مفاد کے حصول کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی بلکہ ان کو منصف مانا جائے گا کہ اپنی دوستی کی بنا پر اپنے دوست کی حقیقت امر کو چھپایا نہیں، پیش خدمت ہے ان کا قول جو انہوں نے (مصر الحديثة) کے متعلق کیا جو کتاب (منار) کی گیارہویں جلد کے صفحہ نمبر 94 پر ہے (اور مجھے اندیشہ ہے کہ میرے دوست محمد عبدہ حقیقت میں (لاادری) نہ ہوں اگرچہ کہ اسکی نسبت اگران کی طرف کی جائے تو وہ اسکو برا مانیں گے) پھر انہوں نے جمال الدین کے ساتھ ان کی خدیوی اسماعیل کے بارے میں بات چیت کو ذکر کیا جیسے کہ وہ (منار) کی اسی جلد کے صفحہ 96 پر مذکور ہے۔
اور شیخ کے قریب ترین لوگوں میں سے جو ان کے فتوی میں تساہل کو ناپسند کرتا تھا اور ان کی گرفت کرتا تھا ان کا سب سے بہتر شاگرد (منفلوطی) ہے جس نے کتاب (النظرات) میں ان کے تاویل کا باب لوگوں کیلئے واکردینے پر تنقید کی[1] بلکہ اکثر لوگ

(1)_______________________________________

دیکھئے (نظرات) کے جزءاول میں (یوم الحساب) نامی مقالہ جس میں منفلوطی نے اپنے شیخ محمد عبدہ کی ادبی اور چھبتی ہوئی تنقید کی

ایسے مسائل میں جو صدیوں سے چلے آرہے ہیں ان پر تاویل کی جراءت کو شریعت کے تقدس کی بناپر ناممکن سمجھتے ہیں۔

فی الواقع شیخ صاحب علم و عمل اور رائے کے اختیار کرنے میں مختلف ادوار سے گزرے ہیں لہذا (العروۃ الوثقی) کے متعلق ان کی رائے اسکے مصنف سے ملنے سے پہلے اور تھی اور اس سے ملنے کے بعد اور جیسا کہ اسکا ذکر مصطفی عبدالرزاق پاشانے (الشباب) میں کیا ہے، اسی طرح ان کی رائے ضابطۂ قانون شیخ الاسلام عثمانی کو پیش کرنے سے پہلے اور تھی اور بعد میں اور اسکا کچھ ناکچھ ذکر (اسلام) نامی رسالے میں 19 نمبر میں 1362ء میں موجود ہے اور جس نے (الواردات) اور (العقیدۃ المحمدیۃ) اور (حاشیۃ الدوانی علی العصندیۃ) اور ان کے فتاوی اور ان سے منقول تفسیر اور (رسالۃ التوحید) کا مطالعہ کیا ان سے ان کے مختلف ادوار ڈھکے چھپے نہیں۔

اور ان کا یہ کہنا کہیں کسی مذہب میں گفتگو ظاہری حس سے کی گئی ہے،

اور کسی میں دل سے اور دین اسلام میں فقط عقل سے گفتگو کی گئی ہے۔ یہ ایک شاعرانہ خیال ہے جس کا انکار قول باری تعالی (وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ -اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو دی) (الانعام-83)

اوراس جیسی بہت سی آیات کرتی ہیں، بلکہ ہر مذہب الہی میں گفتگواس عقل کیساتھ ہوتی ہے جو اپنے ظاہری اور باطنی احساسات پر بخوبی اختیار رکھتا ہو، جبکہ مختلف ادیان کے تغیرات میں ان کی رائے یونیورسٹی میں آج بھی متنازع ہے۔

اور شیخ الاسلام (مصطفی صبری) صاحب نے صرف ان علماء کے متعلق کلام نہیں کیا جو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہیں، اور نہ ہی انہوں نے عام مجلات اور اخبارات کے متعلق کلام کیا بلکہ ان اخبارات اور رسالوں کو آڑے ہاتھوں لیا جو ثقافت اسلامیہ سے منکر تھے۔

سواگر گزشتہ فتوی لکھنے والے (شیخ شلتوت) اپنے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہونے والے اسلامی ثقافت کے انحراف سے لاعلم ہیں جبکہ وہ ان کے پاس موجود ہیں اور ان میں بعض میں لکھتے بھی ہیں۔ اور ان کا اسماعیل بن ادھم [1] کا ہم نوا ہونا ابھی ذہنوں سے نکلا نہیں تو یہ ہمارا مسئلہ نہیں اور نہ ہی ہم اس لاعلمی کے جوابدہ

ہیں، اور اندازوں، قیافوں اور خیالوں کے پیچھے دوڑنا ہمارے علاوہ دوسروں کا کام ہے۔ اور جناب ہیکل پاشا (محمد حسین ہیکل) کی کتاب پر باوجود اسکے کہ وہ کئی معجزات کا منکر ہے، اور سنت کو دلیل ماننے سے انکار کرتا ہے، تقریظ لکھتا ہے، یہ کتاب اور تقریظ لکھنے والے دونوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور تقریظ بنانے والے کا حال 42 عدد 1362ء میں بیان کیا گیا ہے کہ معجزات کے اعجاز سے انکاری ہے اور معجزہ کو صرف اور صرف قرآن کریم کے ساتھ خاص کرنا یہ تمام معجزات کی نفی کرنا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ یہ صاحب جب بھی سنت سے متعلق بات کرتے ہیں تو وہ ہر بار میں منکرین کو نئی دلیلیں دیتے ہیں یہ ان کے علوم حدیث سے دوری پر واضح دلیل ہے اور یہ کہ ان کو اسکا علم نہیں کہ علوم حدیث

---

(1) جو ایک ملحد زندیق تھا اور اس نے الحاد پر ایک خاص کتاب لکھی جس میں الحاد کیطرف دعوت دی، دیکھئے اسکا ترجمہ زرکلی کی کتاب (الاعلام) میں

کے علماء کے اتفاق سے ہر وہ حدیث جسکے راوی ہر طبقہ میں اتنے زیادہ ہو جائیں کہ وہ تواتر کی حد تک پہنچ جائیں تو اسکے راویوں میں جرح و تعدیل کی گنجائش نہیں رہتی، اور یہ کہنا کہ فلاں حدیث ضعیف ہے لیکن دوسری احادیث کے سہارے

مقبول ہے، یا حسن ہے یا حدیث صحیح ہے یہ کسی خاص سند یا خاص روایت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں لیکن ایسی حدیث جسکو تیس صحابہ کرام مختلف اسانید سے روایت کرتے ہیں جو ہر طبقہ میں تواتر تک پہنچ جائے تو اس مجموعہ اسانید اور روایات کے مد نظر جب اسکا متواتر ہونا ثابت ہو جائے تو اسکا درجہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ ناقد کیلئے اسکی ایک ایک روایت پر جرح کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کا اس مسئلہ میں وارد ستّر احادیث جن میں سے چالیس صحیح اور حسن احادیث ہیں اور باقی ایک دوسرے کے ساتھ مل کو قوی بن رہی ہیں[1] کے ساتھ مذاق کرنا جب کوئی

---

[1] اس بارے میں امام العصر محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب جس کا نام (التصریح بما تواتر فی نزول المسیح) ہے مطالعہ کیجئے جو ہندوستان اور لبنان میں شائع ہوئی اور اپنے موضوع میں سب سے بڑھ کر ہے۔

راستہ نہیں پاتا تو وہ واپس اپنی جگہ پہ لوٹ آتا ہے اور اہل حق کی تعریف کرنے کی توقع ان سے نہیں کی جاتی جو اہل باطل کی تعریف کے عادی ہیں۔

(اور ایسا بندہ جس کو معلوم ہو جائے کہ اہل حق کے سامنے اسکی اہل ہوی کے ساتھ ہم آہنگی ظاہر ہو چکی ہے تو وہ ان غیور لوگوں کے بارے میں جو دین اسلام کا دفاع

کر کے اہل باطل کو ہمیشہ پسپا کرتے ہیں تو وہ جس دن اسکے پہرے داروں نے بھی اسکا ساتھ چھوڑ دیا کہتا ہے کہ (ہر زمانہ میں ان جیسا طبقہ جسکی طرف اسلام کی نسبت کی گئی ہے ان کی پختہ عادت رہی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جمہور کے آراء اور عقائد میں ان کی ہمنوائی اور ہم آہنگی ان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے اور جس سے ان کو زیادہ عطا مل سکتی ہے!) اور میں نے ان کی دعوت کو پہچان لیا اور ان کی دعوت کو بھی اور ان کا یہ وہم کرنا کہ ان سے رابطے کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو یہ ان کی خام خیالی ہے!) اور اس شہر امین میں حق کی مدد کرنے کیلیئے اہل حق کو رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن شک مین مبتلا بندہ وہم کا شکار رہتا ہے، بس اللہ راضی ہوں ان لوگوں سے جو جہاں کہیں

بھی ہوں حق کی مدد کرتے ہیں، وہ انکے چہرے کو بھی دیکھتا ہے اور ان کے چہروں کو بھی، اور ان صاحب کے قلم میں کتنی ہی سچائی ہے میں یہ بھی جان چکا ہوں۔ آیا آداب و قواعد ایسے ہوتے ہیں ؟؟!! اور ہم بھی مرتخ پر نہیں رہتے کہ امت ہمیں جانتی نا ہو۔ اور شیخ صاحب ضرب المثل اور نظائر پیش کرنے میں بھی ناکام نکلے۔ اور ان پر سے گرفت کو ہلکا کرنے کی امید میں ان سے بہت سی غلطیاں بھی ہوئیں اور ان کی بیان کردہ مثالیں بھی موضوع سے ہٹ کر ہیں ہم یہاں ان کی غلطیوں کو

بیان کرنے میں وقت صرف نہیں کریں گے کہ ہم ان کو بحث سے خارج ہو کر بات نہیں کرنے دیں گے یہاں تک کہ اس موضوع کے متعلق ان کی زنبیل میں جو کچھ ہے ختم ہو جائے، اور ان کو اس ہلاکت سے جس میں وہ پڑے ہیں ان کو نکالنے کیلئے ہم ان کی توجہ اس طرف دلانے پر اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کی جماعت نے ان کی موافقت کی ہے، اب وہ چاہے جو بھی کہیں اور مسلمان ان سے اس بات پر متفق بھی ہوں چاہے یہودی ان کی موافقت کریں یا نہ کریں لیکن اس بات سے بچیں کہ ایسی بات کریں جس پر مسلمان ان سے اختلاف کریں جیسے ہمارا یہ مسئلہ ہے اور یہ ایک عظیم مصیبت ہے۔

اسلامی عقیدہ اور اسکا ثبوت

اس عنوان کے بارے میں (516) نمبر پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں ایک عجیب و غریب مقدمہ کے بعد اس کے کاتب ایک ایسی بحث کے بارے میں بتاتے ہیں جو عقیدہ نزول عیسی علیہ السلام کے معاملہ میں ان کے اور اہل حق کے درمیان جاری ہے جس میں وہ ایسے آراء کا ذکر کرتے ہیں جس کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں جو کاتب کی فہم اور علم اور ان کے اجتہادات کا پردہ کھولتی ہیں جس سے

ان کو شہرت ملی ہے لیکن ایسی شہرت جس کو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے، اور (عقیدۃ) کے معنی سمجھنے میں بھی ان کی الگ رائے ہے، اور اسلام میں اس کے ثبوت کے طریقے میں بھی الگ رائے رکھتے ہیں، (عجیب بات یہ ہیکہ) ان کی یہ سمجھ چودھویں صدی کے بعد سامنے آتی ہے!!!! لہذا ہم یہاں ان بعض انوکھی آراء پر تبصرہ کریں گے تاکہ مضمون کے کاتب کے مقصد اور نقطۂ نظر سے پردہ اٹھا سکیں۔

ان میں ان کا قول ہے (کہ جب تمام آسمانی ادیان کے اصول کسی چیز پر مشترک ہوتے ہیں تب ان پر ایمان لانا واجب ہو جاتا ہے) یہ بات کہہ کر کاتب اسلامی عقیدہ کا اعتراف نہیں کر رہے بلکہ عقیدہ کا اعتراف تب تک نہیں کرتے جب تک وہ سابقہ ادیان سے بھی ثابت نا ہو!! یہ تو توحیدِ مذاہب کا سنگ بنیاد ہو گا!!!! بلکہ یہ تو بعد میں آنے والے دین سے مستغنی ہو کر پرانے ادیان پر اکتفا کرنا ہے!!

اسکے ساتھ ساتھ سابقہ ادیان کی عظمت کی توفیق کرنے کا ذریعہ سوائے قرآن اور سنت مطہرہ کے کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالی کا یہ قول (شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ — اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا) اور اللہ تعالی کا قول (تعالوا الی کلمة

سواء بيننا وبينكم —آو ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے) میں محمدی شریعت کی طرف مخاطبین کو حکمت کیساتھ بتدریجا دعوت دی گئی ہے، اور بعض اصولوں اور عقائد میں باقی ادیان کیساتھ مشترک ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کے سب عقائد میں اصول مشترک ہونگے اور ان کی آراء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (ایمان کہتے ہیں ایسی دلیل کے مطابق پختہ اعتقاد رکھنے کو جو حقیقت کے موافق ہو) اور یہ رائے قابل قبول نہیں کیونکہ عوام کا بنا کسی دلیل کے ایمان رکھنا تو اس رائے کے مطابق ان کو غیر مسلم بنا رہا ہے اور ان کی آراء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (دلیل یقینی معنی دیتا ہے اور مطلوبہ ایمان اس سے علماء کے اتفاق سے ثابت ہوتا ہے) تو عقیدہ کا مصداق ان کے یہاں اس خاص معنی پر منحصر ہو جاتا ہے کیونکہ جس میں اختلاف ہو وہ ان کے یہاں بطور عقیدہ نہیں لیا جاتا اور دلیل نقلی تو ان کی نظر میں ہے ہی مختلف فیہ جیسے اس پر کلام آگے آئے گا۔

اور ان میں سے ان کا قول ہے (کہ نقلی دلیلیں (احادیث) یقینی اور قطعی معنی نہیں دیتیں جس سے مطلوبہ ایمان حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے علماء کے یہاں ان کے ذریعہ سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دلیلیں یقینی معنی دیتی

ہیں اوران سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے انہوں نے ان کے قطعی الدلالت اور قوی الاسناد ہونے کی شرط رکھی ہے)اور فریق ثانی کی رائے کے مطابق دونوں قسموں کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں پھر کہا(عقائد کا علم تمام لوگوں میں عام ہونا چاہئے نا کہ ایک

خاص جماعت کیساتھ خاص ہو اور اس علم کا مقتضی ہے کہ علماءاس کے ثبوت اور نفی میں اختلاف میں ناپڑیں اور وہ علوم جو مختلف فیہ ہیں وہ عقائد میں سے نہیں)

اس رائے کی بناپر تو کسی کا بھی ایمان اور عقیدہ صحیح نہیں جب تک تمام کے تمام لوگوں کا بھی عقیدہ اس کے جیسانا ہو جائے ،اور جب تک ساری بشریت کو اس کا علم ناحاصل ہو جائے جس کا اسے حاصل ہے ،اور پھر تو (مثلا)ماتریدیہ اور اشعریہ فرقے کا الگ عقیدہ ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک باقی تمام فرقے ان کے ساتھ اس میں شریک ناہو جائیں پھر سب کے سب فرقے اور مسالک سب ایک جیسے
ہو جائینگے اوران کے درمیان کے اختلافات اور فرق مٹ جائینگے ،اور بھیڑ بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ایک چراگاہ میں چریں گے !!!اور اس جدید قسم کے اجتہاد کے احسان سے سب کے سب فرقے ایک ہو جائینگے !!!اوران کا یہ قول بھی ہے (کہ

عقلی یا علمی مسائل میں اگر علماء کا اختلاف ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے فقہ کا اختلاف عملی مسائل میں، اس اختلاف سے ان کو گمراہ یا فاسق قرار نہیں دیا جاسکتا کجا یہ کہ کافر قرار دیا جائے اور رہاں علماء ان کی نظر میں عام

ہیں ان میں ان کے یہاں علماء اہل حق اور تمام فرقوں کے قائدین بھی شامل ہیں اگرچہ ان کی بدعت کسی بھی قسم کی ہو۔

اور ان کا خیال ہے کہ دلیل قطعی وہ دلیل ہے جو سب کے یہاں واضح اور معلوم ہو اور یہ کہ علم اور فہم میں سب لوگ برابر ہیں !! پھر ان اصولوں سے اسلام میں کتاب العقائد کو پرکھا جائے گا اور اس کے مسائل کو اسکے معیار پر تولا جائے گا !! اور عقائد میں اسی پر مکمل کفایت ہے جو کہ ہر چیز میں مطلوب ہے !!!

یہی ہمارے ساتھی کی متنازع رائے ہے، کہ انکی نظر میں عقیدہ تب ثابت ہوتا ہے جب تمام مسالک کے سربراہان اس پر متفق ہو جائیں، اور لوگ آزاد ہیں کہ وہ فرقوں کے درمیان جو اختلافات ہیں ان میں جو عقیدہ چاہیں اپنائیں ان پر کوئی ملامت اور طعن و تشنیع نہیں ہو گی !! اور اس سے پہلے یہ سنت کو بھی بہت سی اقسام میں تقسیم کر چکے [1] اور ان

(1)
____

(شخصیات الرسول) نامی مضامین میں

میں سوائے کچھ کے وحی کو کوئی دخل نہیں ہے، یوں تو عملی طور پر غالبا ساری سنتیں قابل استدلال نہیں ان کو عقیدہ سمجھنا تو دور کی بات، اور فخر الاسلام کی اس پر تحقیق ووضاحت کے باوجود بھی ان کا یہ کہنا کاتب کی اپنی خواہش نفس کو مختلف زاویوں سے نقل کرنے کی دلیل ہے۔

اور پھر وہ ایک ایسا قاعدہ بناتے ہیں جو اختلافی مسئلہ کو عقیدہ سمجھنے سے روکتا ہے، اور لفظی دلیل کے یقینی معنی دینے میں اختلاف ہے، لہذا لفظی دلیل سے عقیدہ کو لینا جائز نہیں،، یہ عقیدہ جو انہوں نے بنایا ہے اسکی بنا پر تو پوری کی پوری کتاب (قرآن کریم) عقیدے کے معاملہ میں حجت بننے سے قاصر ہو جائے گی جیسے کہ عملی معاملہ میں غالبا ساری سنت پہلے ہی ان کے یہاں قابل استدلال نہیں۔

سو جو ادیان اور فرقوں اور مذاہب کی تواریخ کا علم رکھتا ہو اس کو ایک لحظہ تردد بھی نا ہو گا کہ ان میں کوئی بھی ایسی جماعت نہیں جو ان سب آراء کو لیتی ہو جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صاحب تمام مذاہب کی کتابوں میں موجود مشہور فرقوں میں سے کسی

فرقے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ تو خود ایک الگ امت ہیں اور اپنے کلام میں سابقہ فرقوں میں سے کسی بھی فرقے کی نمائندگی نہیں کر رہے بلکہ وہ صرف اور صرف اپنی ذات کی نمائندگی کر رہے ہیں جیسے استاد عقاد نے استاد ذکی کے بارے میں کہا تھا۔

اور یہاں دلیل لفظی اور عملی مسائل میں انکی غلطیوں پر کلام کرنا چاہوں گا کیونکہ ان صاحب نے ان کے بارے میں خطرناک حد تک بحث کی ہے۔

جیسا کہ البیاضی کی کتاب (اشارات المرام) میں لکھا ہے کہ دلیل لفظی ماتریدیہ کے نزدیک قطعی معنی تب دیتی ہے جب اس کے معنی میں بہت سے ادلہ مختلف اسانید کے ساتھ وارد ہوں اور قرائن بھی اس پر موجود ہوں اور یہی قول آمدی نے اپنی کتاب (الابکار) اور سعد الدین نے (شرح المقاصد) اور (تلویح) اور سید نے (شرح المواقف) میں اپنایا ہے۔

اور اسی پر اس امت کے تمام ائمہ متاخرین اور ہر مذہب کے جمہور کا عمل رہا ہے بلکہ اشعری تو کہتے ہیں کہ: اللہ کی معرفت تو سماعی دلیل سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ قول کہنے والا اس الزام سے بری ہے کہ سماعی دلیل محض ظنی کے سوا کوئی معنی

نہیں دیتالھذا جس نے اس مسئلہ کی نسبت اشعریہ کی طرف کی ہے وہ نا صرف لاپرواہ ہے بلکہ فحش غلطی کا مرتکب ہے۔

اور یہ کہنا (کہ دلیل لفظی قطعی اور یقینی معنی تب تک نہیں دیتا جب تک اس میں دس امور کا ہونا یقینی طور پر نا پایا جائے اور اس کے سوا محض مشقت اور تھکنا ہی ہے) تو یہ قول دراصل بعض بدعتیوں کی باتوں سے لیا گیا ہے اور اہل اصول کے بعض فلسفیوں نے بھی اسکی موافقت کی اور بعد میں آنے والے متاخرین میں سے بعض مقلدین نے بھی اسکی پیروی کی اور اس قول کا اہل حق کے ائمہ میں سے کسی ایک سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک ایسا اصول بنائیں جس سے دین کو ڈھایا جائے اور مشکوک لوگوں کو ایک ہتھیار مل جائے، پس وہ دلیل لفظی جو قطعی الثبوت ہو وہ قطعی الدلالت ہوتی ہے جسکی تفصیل اصول میں موجود ہے۔اور جہاں تک تعلق ہے امام فخر الرازی کی بات کا جو انہوں نے اجمالا اپنی کتاب (المعصل) میں ذکر کی تو اسکی وضاحت انہوں نے (المعصول)

اور (نھایۃ العقول) میں کی اور ان دونوں کتابوں میں اس بات کا اعتراف کیا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرینوں سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور پھر لفظی دلیل بھی قطعی

معنی دیتا ہے اس طرح مشکوک لوگوں کی (المعصل) میں امام رازی کے قول سے قرآن کریم میں شک ڈالنے کیلئے حجت پکڑنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ ان کا یہ کہنا کہ شریعت میں محض عقلی دلیل لی جاتی ہے یہ خالصتاً بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے ؟

بلکہ علم توحید اور علم صفات میں اصل چیز قرآن و حدیث پر جمے رہنا اور بدعت اور نفسانی خواہش سے دور رہنا ہے اور جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت و رسالت کا اقرار کیا ہے ان سے مباحثہ کے وقت سنت اور جماعت کے طریقے کو لازم پکڑ لے اور صرف عقلی دلیل کو ان کے سوا دوسروں کے ساتھ استعمال کر لے جیسا کہ فخر الاسلام وغیرہ نے فرمایا ہے، پس اہل حق کے یہاں ہر اس عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں جو قرآن یا حدیث سے ثابت نا ہو پس جو ان دونوں چیزوں کو اس سے دور کرنا چاہے گا وہ گمراہی میں بہت آگے تک جا چکا ہے۔

اور کاتب کا علم اصول میں اختلاف کو گناہ نا ہونے کے معاملہ میں فقہی اختلاف پر قیاس کرنا ان کی عبید اللہ بن حسن العنزی کی طرف رجحان اور میلان کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ عقائد میں اختلاف رکھنے والوں کو ٹھیک قرار دیتے ہیں اور ان کی اس

رائے کی قباحت ابن قتیبہ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے (مختلف الحدیث ص 55) پر ذکر کیا ہے۔

اور ائمہ اصول نے بڑی جدو جہد کے بعد جاحظ کے خیال جس میں وہ علمی اور عملی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو گناہ نا ہونے کا قائل ہے کو ختم کیا اگرچہ اس کے نزدیک دونوں قسموں میں درست ہونا یکساں ہے۔

اور اسی طرح انہوں نے عنبری کو غلط ٹھرایا جو مطلقا سب اختلاف رکھنے والوں کو ٹھیک قرار دیتا ہے۔

امام غزالی نے (المستصفی) میں فرمایا کے عنبری کا مسلک جاحظ کے مسلک سے زیادہ برا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان میں سے درست ایک ہی

ہے لیکن باقی جو غلط ہیں ان کو معذور کہہ کر غلط بھی نہیں کہتا بلکہ اسکا مذہب تو سوفسطائیوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ وہ چیزوں کی حقیقتوں کے منکر ہیں اور اس نے تو حقائق کا اقرار کر کے ان کو عقائد کا تابع کر دیا یہ اگر شریعت میں بھی ایسا ہوتا تو اس پر عمل کرنا محال ہوتا بخلاف جاحظ کے مسلک کے۔

اور اس کے بھائیوں معتزلہ نے بھی اس مسلک میں تاویل کر کے اسکا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ (ان کی مراد اس اختلاف سے مسلمانوں کا ان کلامی مسئلوں کا اختلاف ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا مثلاً رؤیت کا مسئلہ اعمال اور قرآن کا مخلوق ہونا، اور کائنات کے ارادے کا کیونکہ ان کے بارے میں آیات اور احادیث متشابہ ہیں اور ادلہ اس میں متعارض ہیں اور ہر فریق نے دین میں اپنے رسوخ کے مطابق اس میں وہ رائے لی ہے جو اسکو قرآن کریم اور حدیث نبوی اور عظمت الہی کے ساتھ زیادہ مناسب معلوم ہوئی، پھر ان میں بعض درست اور بعض معذور ہوئے) پھر غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا (اگر وہ یہ کہے کہ وہ سب کے سب ٹھیک ہیں تو عقلا یہ ناممکن ہے کیونکہ یہ معاملات کسی

نسبت سے تبدیل نہیں ہوتے پس قرآن قدیم بھی ہو اور مخلوق بھی ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ان دونوں میں سے ایک بات ہوگی اور اسی طرح رؤیت (یعنی اللہ کو دیکھنا) یا تو محال ہوگا یا ممکن اور گناہوں کا ارتکاب یا تو اللہ کے ارادے سے ہوگا یا اسکے ارادے سے خارج ہوگا،، یا قرآن زید کے حق میں مخلوق ہوگا اور عمرو کے حق میں قدیم۔

اور اگر وہ یہ کہے کی ان میں سے ٹھیک تو صرف ایک ہے ہاں غلطی کرنے والا معذور ہے وہ گناہگار نہ ہوگا تو یہ کہنا عقلا محال نہیں ہے لیکن سماعی دلائل سے باطل ضرور ہوگا اور اسلاف کے اتفاق سے اہل بدعت کو ملامت کرنا اور ان سے میل جول اور انکی صحت کو ترک کر دینا اور ان پر شدید تنکیر کرنا اور فرائض اور فقہ کے فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں پر انکار نہ کرنا یہ شریعت کے لحاظ سے ایک دلیلِ قاطع ہے اور ابھی تک دلائل سے کوئی اتنا لا علم نہیں کہ شبہ اور دلیل میں فرق معلوم نہ کر سکے)۔ اسی لئے علامہ سعد الدین نے (التلویح) میں کہا (اور صدر الشریعہ نے کہا ہے کہ (اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو سزا نہیں دی جاتی) کیونکہ اصول اور عقائد میں غلطی کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے بلکہ اس کو گمراہ یا کافر قرار دیا جاتا ہے کیونکہ حق پر مبنی ان میں سے ایک ہی عقیدہ ہوتا ہے اور اصل مطلوب دلائل قطعیہ سے یقینی علم حاصل کرنا ہے کیونکہ دنیا کا قدیم اور حادث ہونا ،اور خالق کی رؤیت (دیکھنا) یا عدم رؤیت بیک وقت معقول اور جائز نہیں، سو اس میں غلطی کرنے والا اصلاً غلطی پر ہے اور ان میں سے بعض سے کلامی مسائل میں ہر اجتہاد کرنے والے کو درست قرار دینا منقول ہے اور مخالف کو کافر نہیں قرار دیتے جیسے قرآن کے مخلوق ہونے اور اللہ کو دیکھنے اور اعمال کے مخلوق ہونے کا مسئلہ تو

اس سے مراد گناہ کی نفی کرنا اور مکلف ہونے کے ناطے عیب سے بری ہونا مراد ہے نا کہ دونوں کا درست ہونا)

اس آخری بات سے اشارہ عنبری کی رائے کی طرف ہے جس میں اسکے بھائی معتزلہ نے تاویل بھی کی ہے اور غزالی رحمہ اللہ ان کو جھوٹا قرار دے چکے ہیں اور قاضی عیاض نے کتاب (الشفا) میں کہا ہے کہ (عنبری کے سوا امت کے تمام فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اصولِ دین میں حق پر

ایک ہی ہوتا ہے اور اس میں غلطی کرنے والا گناہ گار اور فاسق ہوتا ہے ہاں اس کو کافر قرار دینے میں اختلاف ہے)اور اس مسئلہ میں اہل علم کے نصوص کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے اور جس کو قاضی عیاض کی کتابوں کے بارے میں علم ہو یا (ازھار الریاض) نامی کتاب کا مطالعہ کیا ہو اس سے علوم درایت اور روایت میں آپ کا درجہ مخفی نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقائد میں ہونے والا اختلاف فروعی اختلاف جیسا نہیں کہ ان کو اس پر گناہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ قاضی عیاض نے بیان کیا کہ اہل حق کے تمام خلف و سلف بلکہ تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں۔

اور جہاں تک عزبن عبد السلام کے کلام کا تعلق ہے تو وہ زیادت صفات کے متعلق ہے اور اسکا حکم شرح الدوانی میں (عضدیۃ) کی بات کرنے میں بھی مذکور ہے جن کو طلبہ پڑھتے رہتے ہیں اور اسی طرح (الاستطاعۃ قبل الفعل) یعنی فعل کرنے سے پہلے اسکی قدرت رکھنے کے مسئلہ میں بھی عبد الحکیم کے کلام میں (المقدمات الاربع) میں مذکور ہے۔

اور اس طرح علمائے عقائد نے اپنی کتابوں میں یہ بات واضح کر دی کہ

کس مسئلہ میں اختلاف خطرناک ہے اور کس میں نہیں، تو یہ سب کاتب کیلئے جائز نہیں کہ بے سوچ سمجھے یہ کہے کہ عقائد میں اختلاف کرنے والوں کو مطلقاً کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

اور ابن عبد الاسلام کی بات کے حوالے سے اتنا کہا جائے گا کہ ان کے مختلف اقوال واحوال ہیں جو انہوں نے ابن حزم کی بعض کتابوں کے مطالعہ سے اخذ کیا ہے جن کو محی الدین ابن عربی شام میں لے کر آئے اور ان اقوال واحوال کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں کہ یہ ان کی ایک غلطی ہے اور اس کو بطور دلیل لینا ٹھیک نہیں بلکہ ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ان کو اس غلطی پر معاف کر دیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے ابن حزم کا تو اس مسئلہ میں ان کا میلان جاحظ کی رائے کی طرف ہے ان کی رائے ہے کہ اگر مخالف پر حجت قائم ہو جائے اگرچہ خبر واحد کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو اسکو کافر قرار دیا جائے گا تو یہ صاحب (شلتوت) ان کی اتباع نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف عنبری کی اتباع کرتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے ان پر کتاب اللہ اور

احادیث متواترہ اور اہل حق کے اجماع سے حجت قائم کر دی گئی ہے۔

اور ہم اس سے پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ بنا دلیل کے بعض احتمالات قطعی نصوص کی دلالت پر اثرانداز نہیں ہوتے اور ہم نے نزول عیسی (علیہ السلام) کے متعلق احادیث متواتر ہونے کے ثبوت میں بعض تصنیفات کا ذکر بھی کیا ہے اور بعض اہل شان صحابہ کی متواتر احادیث اور ان کے نزول پر اجماع کو بھی نقل کیا۔

اور اس سب کے بعد بھی سرکشی اور اختلاف کرنے والے کی صورتحال صرف گناہگار ہونے سے زیادہ خطرناک ہے، اسی لیے سیوطی رحمہ اللہ نے نزول کے منکر کو (الاعلام) میں کافر قرار دیا جسکو 1660ء میں (الحاوی) کے ضمن میں شائع کیا گیا تھا اور وہ شریعت میں متواتر کے انکار کے قاعدے کو لیتے ہیں۔

اور اس امت کی ابتدا سے تمام ائمہ اور علماء (عقیدہ) کے معنی سے لا علم نہیں ہیں اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر بغض اور عناد رکھنے والے کی ناپسندیدگی کے باوجود بھی عقائد کے ابواب میں نزول کا مسئلہ (الجواھرۃ) اور (الخریدۃ) کے مصنفوں کی تخلیق کے زمانوں سے پہلے لکھا ہے۔

نزول عیسی علیہ السلام کا مسئلہ استطاعت اور خلق قرآن اور زیادت صفات کے مسئلہ جیسا نہیں کہ ان پر مختلف سوالات اور مباحث اٹھائے گئے بلکہ یہ تو براہ راست نصوصِ شرعیہ سے ثابت شدہ ہے لہذا قرآن، حدیث اور اجماع کے ماننے والے کیلئے ممکن نہیں کہ اسکا انکار کرے، اس طرح کاتب کا کلام اور انکے قاعدے بنانا اور انکی قسما قسم کے مغالطوں کا مقصد بات کو بنا کسی فائدہ کے طول دینا ہے اور سب کے یہاں ان کے حال کا پورا کا پورا انکشاف نہیں ہوا۔

اور ان کے آیات میں شک پیدا کرنے کے بارے میں ہم ایک الگ فصل میں بات کرینگے ان شاء اللہ اور کاتب کا مسائل سے لا علمی اس بات کی دلیل نہیں کہ علماء بھی ان سے لا علم ہیں اور ان کا (عقیدہ) کے معنی کو سمجھنے پر خوش ہونا ان کیلئے

باعث فخر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ دلیل سے لاعلم ہیں اور دلیل کے ساتھ ایک حتمی فیصلہ سے لاعلم ہونے کے ساتھ

ساتھ تسلی بخش دلائل اور خبر واحد اور تقلید سے بھی لاعلم ہیں۔

علاءالدین عبدالعزیزالبخاری (شرح اصول فخر الاسلام بزدوی) میں کہتے ہیں کہ (دل کا عقیدے کا اقرار اسکے علم رکھنے سے زیادہ افضل ہے کیونکہ محض علم کبھی اقرار قلب سے خالی ہوتا ہے جیسے اہل کتاب کو حضور نبی کریم ﷺ کی حقانیت کا علم تھا لیکن وہ اسکا اقرار نہیں کرتے تھے اور کسی چیز کا اقرار کبھی بغیر علم کے بھی ہوتا ہے جیسے مقلدین کا اقرار لہذا اگر ایسا ہو سکتا ہے تو خبر واحد بھی موجبِ عقیدہ ہو سکتا ہے کیونکہ اعتقاد رکھنا دل کا کام ہے اگرچہ کے وہ موجبِ علم نا ہو۔

ابوالحسر کہتے ہیں: آخرت کے متعلق جتنی احادیث وارد ہیں وہ عمل کے باب سے تعلق رکھتی ہیں اور عمل کی دو قسمیں ہیں: اعضاء یعنی ہاتھوں پیروں سے کیا جانے والا عمل اور دل کا اقرار سوا گر اعضاء کے ذریعہ سے عمل کرنا ممکن نا ہو تو بھی اس پر عمل کرنا نا ممکن نہیں اور وہ ہے دل کا عمل یعنی اسکا اعتقاد رکھنا) اور یہ قول انہوں

نے فخر الاسلام کے قول (اور اس میں عمل کی قسم موجود ہے وہ دل کا اقرار اور اعتقاد رکھنا ہے جو

کہ زیادہ افضل ہے) کی شرح بیان کرتے وقت کہا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ کچھ لوگوں کے نزدیک خبر واحد حتمی عقیدہ ثابت کرتا ہے اور کچھ کے نزدیک عقیدے کیلئے علمی دلیل بنتا ہے تو مثلاً ایک تو ہو شخص ہے جو صحیح بخاری سے صرف ایک حدیث کو سنتے ہی نزول عیسی علیہ السلام پر پختہ عقیدہ رکھتا ہے اور دوسرا نہیں رکھتا اگرچہ آپ اسکو (70) ستر احادیث ہی کیوں نہ سنا دیں جن میں سے تیس حدیثیں صحاح کی کتب اور سنن اور مسانید اور جوامع اور حدیث کی تمام کتابوں سے ہوں جن کے تھوڑے عدد سے بھی ان کا تواتر ثابت ہو رہا ہو، تو نجات پانے والا وہ پہلا بندہ ہو گا نا کہ دوسرا، اور انبیاء اور علماء اور عام لوگوں میں بظاہر یہ لفظ حتمی ہے فیصلہ حاصل کرنے اور اسکو حاصل کرنے کے طریقے میں جو فرق ہے اسکی (تانیب الخطیب) نامی کتاب میں وضاحت کی گئی ہے ،اسکا مطالہ کر لیا جائے۔

رفع ونزول کی آیات

اور 517 نمبر میں (آیتان) کے نام سے شائع کردہ مضمون میں کاتب نے ایک مثال بیان کی جس میں کاتب یہ بھول گئے کہ اس کے سابقہ عدد میں کیا لکھ چکے ہیں کہ اختلافی مسئلہ کو بطور عقیدہ نہیں لیا جاسکتا اور یہ کہ اکثر علماء کے یہاں دلیل نقلی قطعی معنی نہیں دیتا اور جو اسکے قطعی ہونے کے قائل ہیں وہ بہت سی شروط کے ساتھ اسکو قطعی قرار دیتے ہیں اور اسکے ساتھ اس فریق ثانی کے قول کے مطابق دو قسمیں بھی ذکر کیں۔

اور اب اپنے مضمون کے شروع میں کہتے ہیں کہ سابق کلام میں وضاحت کر چکے ہیں کہ (قرآن سارا کا سارا قطعی ہے، اور بااعتبار دلالت کے اسکی دو قسمیں ہیں ،ایک ایسا قطعی جس میں کوئی تاویل نہیں چلتی، دوسرا وہ غیر قطعی جس کے دو یا اس سے زیادہ معانی ہو سکتے ہیں) یوں وہ اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں کہ دلیل نقلی (منقولی روایت) اکثر علماء کے نزدیک قطعی معنی نہیں دیتا، اس طرح وہ ان پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اور جو لوگ جماعت کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں/بغاوت کرتے ہیں میں نے ان میں ایسا نہیں دیکھا جو جھوٹے الزام نا لگائے، اب جب انہوں نے اعتراف کر لیا کہ دلائل نقلیہ میں ایسی دلیلیں ہیں جو قطعی ہیں تو اس سے پہلے جو کہا تھا وہ لغو اور باطل ہو گیا، اور وہ جماعت کے قول کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے اور ان کی بے کار تمہیدوں کا ان کے مقصد میں کوئی فائدہ نا ہوا۔

اور ان کا یہ کہنا کہ (بعض قرآن قطعی ہے اس میں کوئی تاویل نہیں چلتی) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس بات کو بھول گئے کہ اہل علم کے اتفاق سے آیت میں ایسا احتمال جسکی کوئی دلیل نا ہو وہ اسکے قطعی دلالت پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسا کہ (مستصفی) اور (التلویح) اور (مرآۃ الاصول) وغیرہ میں اسکی تشریح کی گئی ہے۔

جیسا کہ ان کا قول (اور بعض غیر قطعی ہے جسکے دو یا زیادہ معانی ہو سکتے ہیں) اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو اس مجمل آیت جس میں دو معانی کا احتمال ہو اور دونوں برابر برابر ہوں اور وہ ظاہر آیت جس میں دو معنی کا احتمال ہو لیکن ان میں سے ایک بذات خود ہی یا کسی دلیل سے راجح ہو اور دوسرا قول کوئی قابل استدلال دلیل نا ہونے کی وجہ سے مرجوح ہو اور منفی ہو جائے، ان کے درمیان فرق معلوم نہیں،

اسکے ساتھ ساتھ ان کو واضح آیات میں وضوح کی اقسام کا بھی علم نہیں جن میں بعض میں تاویل کا احتمال ہونے کے ساتھ ساتھ اس تاویل کی کوئی دلیل نا ہونے کی بنا پر سب کی سب آیات بالاتفاق قطعی الدلالت ہوتی ہیں۔

اور وہ اقسام ظاہر اور نص اور مفسَّر اور محکم میں موجود ہیں اور ملتی جلتی ہیں اور متقدمین کے نزدیک انکا مفہوم مختلف ہے اور ان کا متقدمین کے نزدیک مختلف ہونے کو اپنی مخصوص جگہ میں بیان کیا گیا ہے جسکا ہمارے کلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اور ظاہر ظنی تب ہوتا ہے جب دوسرا احتمال موجود ہو ورنہ اسکا معنی قطعی ہی رہے گا بلکہ ظنی ظواہر کا ایک معنی پر مجتمع ہونے سے بھی وہی معنی قطعی ہوتا ہے، اور یہی حال اس ظنی خبر واحد کا ہے کہ جب اس معنی میں بہت سی احادیث وارد ہو جائیں تو وہ معنی قطعی ہو جاتا ہے۔

اور ظاہر یا تو وضع کے اعتبار سے ظاہر ہوتا ہے یا دلیل سے جیسا کے ابوالخطاب محفوظ بن احمد الکواذی نے (التمہید) میں ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر مطلقا قطعی نہیں ہوتا، اور نہ ہی مطلقا ظنی ہوتا ہے، اور رفع و نزول کے بارے میں

جو ظاہری دلائل ہیں وہ سب ایک دوسرے کو تقویت دینے کی وجہ سے اور کسی بھی دوسرے احتمال کے نا ہونے کی وجہ سے قطعی ہیں۔

اس بات کے بعد میں دوبارہ اپنی پچھلی بات کی طرف لوٹتا ہوں: جماعت کے عقیدے کا دفاع کرنے والے اساتذہ نے اس مسئلہ پر قران کریم کی تمام طریق دلالت بیان کر کے کسی کہنے والے کیلیئے گنجائش ہی نہیں چھوڑی، اللہ ان کو اس علم کی بناپر جزائے خیر عطا فرمائیں، لیکن شیخ نے جب دیکھا کہ ان کا قلم قرطاس پر جو وہ نقل کرنا چاہتے ہیں اس کا تابع ہے اور ان کی زبان وہی بیان کرتی ہے جو وہ کہنا چاہتے ہیں اور جماعت ان کے سائے کی طرح ان کے پیچھے ہے تو وہ امت سے اختلاف پر مصر ہو گئے اور ہر وہ خیال جو ان کے دل میں آتا اسکو لکھنے اور بولنے لگے اور وہ سمجھے کہ دلیل سے عاری ہونا حجتوں کے معرکہ میں کوئی نا کوئی فائدہ دے سکتا ہے ماسوا اخلاقی اور ادبی کاموں کے ،اور یہ کہ شاید وہ ایک لمحہ کیلیئے ہی صحیح حق کو چھپا سکیں اور باطل کو ان لوگوں مین رائج کر سکیں جو ان کے مغالطوں سے دھوکہ کھا گئے ہیں لیکن ان کا اندازہ ناکام ہوا اور مسلمانوں کے قدیم عقیدے کو جاہل جمہور کے عقیدے کی شکل میں ظاہر کرنے اور اس عقیدے کی حفاظت کرنے والوں کو مادہ پرست اور عوام کی خواہشات کے مطابق چلنے والے جاہلوں کی صورت میں

پیش کرنے میں ان کی کوششیں ناکام ونامراد ٹھہریں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک عوام کا الگ دین اور خواص کا الگ دین ہے اور جس آئینہ میں وہ خود جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہی لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں، اور ہم بھلا کسی اور سیارے میں تو نہیں رہتے کہ امت ہم سے لاعلم ہو یا خود ان کے بارے میں کچھ نا جانتی ہو۔

بھلا کیا جماعت کے عقیدے کی حمایت کرنے والا گمراہ اور اسکی خلاف ورزی اور بغاوت کرنے والا ہدایت پر ہو سکتا ہے ؟!! سبحان اللہ کیا ایک انصاف پسند زندہ ضمیر اور لوگوں کی اصلاح کرنے والا ایسا ہو سکتا ہے ؟اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ خاموش ہو جائیں یا اللہ ان کو عبرت کا نشانہ بنا کر خاموش کر دیں بلکہ ہم تو معاشرے کو ان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات سے بچانا چاہتے ہیں جو کہ ہم نے بتوفیق اللہ کیا بھی ہے اور اللہ جل شانہ کی مدد شامل حال رہی تو ہم ہر مصیبت کے باوجود دین کی نصرت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ لوگ جان جائے کہ اگر یہ زمین میں کوئی سرنگ میں گھس کر یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر اسلام کی ابتدا سے لے کر مغلوں کے مدعی نبوت تک کسی اہل حق سے منسوب کوئی صحیح روایت لے آئیں جس میں انہی چیزوں کی نفی کی گئی ہو جنکی نفی کاتب نے کی ہے تو بھی ایسا نہیں کر پائیں گے، تاکہ لوگ کہیں گے جو الگ رائے ان کی ہے اس میں ان کا کوئی

موافق ہے کجا یہ کہ ان کے حق پر ہونے کا کوئی احتمال ہوا گرچہ کہ ہزار میں ایک فیصد بھی نہیں۔

پس ان کے کلام کے خارج ہونے کیلیئے یہی کافی ہے کہ پوری دینا میں ان کا اس کلام میں کوئی ہمنوا نہیں ہے، امام زفر بن ھذیل کو اللہ غریق رحمت کرے انہوں نے فرمایا کہ (میں کسی سے مباحثہ اسلیئے نہیں کرتا کہ وہ چپ ہو جائے بلکہ اسلیئے کرتا ہوں کہ وہ پاگل ہو جائے، لوگوں نے پوچھا کیسے؟ کہا: میر افریق ایسی بات کہتا ہے جو کسی نے بھی نہیں کہی) جیسا کہ صمیری وغیرہ نے ان سے روایت کیا ہے۔اور جن آیات کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں ہم ان پر مختصر سی بات کریں گے اور اسکی تفصیل میں پڑنے کی ضرورت اسلیئے نہیں ہے کہ باقی اساتذہ جو تفصیلاً اس باطل پر رد کر چکے ہیں ان کی باتیں کافی اور شافی ہیں سورۃ النساء کی آیت (157،158) (وما قتلوہ یقینا بل رفعه الله اليه) یہ ظاہری رفع پر ہی دلالت کر رہا ہے کیونکہ اٹھائے جانے یعنی رفع کے حقیقی معنی ہے پستی سے اونچائی کی طرف منتقل ہونا جیسا کہ ابو حیان الاندلسی نے (البحر المحيط) میں کیا ہے اور اس حقیقی معنی کو مراد لینے سے روکنے کا کوئی قرینہ یہاں موجود نہیں تا کہ ہم اسکے مجازی معنی یعنی درجہ کے بلند ہونے کو مراد لیں، اور مجازی معنی کو اخذ کرنا بنا دلیل کے ہو گا اور

جب اسکی دلیل ہی نہیں تو آیت (بل رفعه الله اليه)(النساء– 158)کو ظاہری اور حقیقی رفع پر محمول کریں گے،اور اسکے مجازی معنی کو کئی وجوہات کی بنا پر مراد نہیں لیا جا سکتا:

1۔ یہود کے ان کو قتل کرنے کے دعوی کو اس قول سے باطل قرار دینا کہ انہوں نے ان کے مشابہ بندے کو قتل کیا تھا اسکا سیاق تب ہی ٹھیک ہو گا جب رفع سے مراد حقیقی رفع ہو گا کہ (بل) کے بعد والا کلام اس سے پہلے والے کلام کے ساتھ مربوط ہو جائے اور درجہ کا بلند ہونا قتل ہو جانے کے منافی نہیں کہ کتنے ہی انبیاء (علیہم السلام) ایسے تھے کہ ان کے درجات بلند ہونے کے باوجود ان کو قتل کیا گیا،اگر ہم ان دونوں باتوں کے مابین تضاد کو ختم کر دینگے تو (بل) کو ان کے درمیان لانا درست نا ہو گا اور ابن ابی شیبہ اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح اسکی تفسیر جلد 1 ص 574 میں بیان کی کہ ان کو گھر کے طاقچے سے اٹھا لیا گیا،اور یہ ایسا معاملہ نہیں کہ اسکو رائے سے بیان کیا جائے تو اہل علم کی جماعت کے نزدیک یہ مرفوع کے حکم میں ہو گی۔

2۔ یہاں اس موقع کے ساتھ رفع کا مطلب رفع درجہ کے لینے کی کوئی وجہ ہی نہیں بن رہی کیونکہ اولوالعزم انبیاء توسب کے سب ہمیشہ اونچا مقام رکھتے ہیں۔

3۔ ابوحیان وغیرہ کے قول کے مطابق: کسی شخص کے ساتھ (رفع اللہ الیہ- النساء 158) کی آیت جوڑ کر اس کے ساتھ (الی) کے لفظ کو ملا کر اسکی اٹھائے جانے کی انتہائے منزل (یعنی آسمان) کا ذکر کرنا ہی اس آیت کے مجازی معنی کی نفی کر دیتا ہے کیونکہ رفع درجات تو انتہائی منزل کے بالکل برعکس ہے اور اللہ تعالی کا (الی) کے لفظ کو متکلم (یعنی خود) کی ضمیر پر داخل کرنا اضافت الی الشرف کے باب میں سے ہے اور اسکے معنی یہ ہوں گے کہ میں تمہیں اپنے آسمان اور اپنے فرشتوں کی جگہ اٹھا لونگا۔

4۔ رفع درجات محض حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کہ اسکو بطور خاص ذکر کر کے اللہ ان پر اپنا احسان ذکر کریں بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کے لئے عام ہے بلکہ اللہ کے نیکوکار اور برگزیدہ بندوں کیلئے بھی۔!!!

5۔ جیسا کہ شیخ صاحب کے فتوی میں آیا ہے کہ رفع کا مطلب مضاف کو حذف کر کے رفع روح کے مطلب میں لینا بھی صرف حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ

خاص نہیں یہ الگ بات ہے کہ مضاف کو حذف کرنا یہاں اصلی عربی اسلوب کے خلاف ہے، اسلئے یہاں رفع ان کی ذات کا ہوگا بمع روح اور جسم دونوں کے، اور آپ تمام مفسرین میں سے کسی کو بھی نہیں پائیں گے کہ وہ یہاں پر رفع کا مطلب رفع درجہ سے لے رہے ہوں یا صرف رفع روح یعنی موت سے لیتے ہوں، کیونکہ یہ آیت قطعی طور پر حقیقی اور ظاہری رفع پر دلالت کر رہی ہے۔

اور یہ سب وجوہات رفع و نزول کی متواتر احادیث سے صرف نظر کرتے ہوئے ذکر کر رہا ہوں ورنہ جسکو اس موضوع کی متواتر احادیث کا علم ہو وہ ایک لمحہ کیلئے بھی اس معاملہ میں شک نہیں کر سکتا اگرچہ اسکو قرآن میں سے رفع و نزول پر دلالت کے پہلوؤں کا علم نا ہو، تو وہ کیسے اس عقیدے کا انکار کر سکتا ہے جبکہ قرآن اور احادیث متواترہ اور اجماع سب کے سب اس عقیدے پر متفق ہیں۔

اور جہاں تک بات ہے اللہ تعالی کے قول (اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ) (میں تمہیں واپس لینے والا ہوں) (آل عمران-55) کی تو یہ بھی ظاہری رفع پر ایک حتمی نص ہے کیونکہ لفظ (الی) اس کو مجازی معنی یعنی رفعِ درجہ پر محمول کرنے سے روکتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، جیسا کہ سورۃ

الانعام کی آیت 38 (یطیر بجناحیه) (اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہے) میں (طائرا) میں مجازی معنی نہیں لے سکتے اور اسکی تفصیل اسکی تفسیر میں موجود ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے مندرجہ قول باری تعالی (وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) (آل عمران - 55) میں ذکر کیا ہے کہ توفی کا مطلب لغت میں لے لینے کے ہیں اور مجازی طور پر اماتت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ زمحشری کی کتاب (اساس البلاغۃ) سے ظاہر ہوتا ہے تو آیت کے معنی یوں ہوگے: "میں تمہیں زمین سے لے لونگا اور آسمان کی طرف اٹھالونگا" اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ: زمین سے اپنے قبضہ میں بغیر موت کے لے لونگا۔

اور یہ معنی بقیہ آیات اور احادیث کے ساتھ مربوط ہے تو یہ بھی ان کے زندہ اٹھائے جانے پر ایک نص ہوگا کیونکہ مجازی معنی کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو وہ اسی طریقے سے جیسے ہم نے بیان کیا قطعی الدلالت ہی رہے گا اور بالفرض ہم توفی کے معنی کو لے لینے اور اماتت اور سلادینے کے معانی میں مشترک کرکے لے لیں تو وہ باقی آیات کے قطعی معنی سے خارج ہو جائے گا تو یہ آیت ظاہری رفع اور بنا موت کے لے لینے پر قطعی الدلالت ہوگی۔

اور اگر ہم بالفرض ان معانی کو نا بھی لیں تو بھی موت پر اسکو محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ (متوفيك) میں اسم الفاعل حقیقت حال کے معنی میں ہے اور ان لوگوں کے نزدیک یہ مستقبل کے معنی میں ہے تو اگر ہم حقیقت پر اسکو محمول کر لیں تو معنی کچھ یوں ہوگا: میں تمہیں موت دینے والا ہوں۔ یوں تو یہود کا مقصد حاصل ہو گیا اور قرآن کریم نے واضح بیان کیا ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے اور اگر ہم مجازی طور پر اسکو مستقبل پر محمول کریں گے تو مستقبل کے تعین کیلئے بھی دلیل کی ضرورت ہو گی تو پھر وہی مستقبل متعین ہو گا جسکو باقی تمام دلیلیں متعین کرتی ہیں اور وہ ہے ان کے زمین میں نزول کے بعد ہی۔

اور آیت میں (واو) یہاں ترتیب کیلئے نہیں آئی تو یہ "باب تقدیم ماحقہ التاخیر" میں سے ہو گا تاکہ ان کو خدا ماننے والوں کو تنبیہ ہو جائے کہ وہ مستقبل میں ہونگے اور یہ قول قتادہ اور فراء کا قول ہے اور علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کو بھی اسی پر محمول کرینگے تاکہ دلائل کے معنی ایک ہو جائیں۔

کیونکہ ابن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا اور ان کے بارے میں یعقوب بن ابی سفیان کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث ہیں اور ان کی

حدیث منکر ہوتی ہے ان کی رائے کو پسند نہیں کیا گیا اور نا تو وہ متروک ہیں اور نا ہی ان کی بات حجت ہے۔ اگرچہ مسلم رحمہ اللہ نے ان کی بعض روایات ذکر کی ہیں لیکن ان کی ذات متنازع ہے۔

اور ان سے روایت کرنے والے معاویہ بن صالح الحضرمی ہیں جن کی روایت کو یحییٰ بن سعید القطان پسند نہیں فرماتے تھے اور ابو حاتم نے تو کہہ دیا ہے کہ: مسلم رحمہ اللہ کا ان کی بعض روایات ذکر کرنے کے باجود بھی ان کی روایات کو بطور حجت نہیں لیا جا سکتا۔

اور حضرمی سے روایت کرنے والے عبداللہ بن صالح ہیں جو لیث رحمہ اللہ کے کاتب بھی تھے ان سے غلطی کثرت سے ہوا کرتی تھی تو جس روایت کی ایسی سند ہو اسکی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نہیں کی جا سکتی اور نہ ثابت ہوتی ہے۔

اور وھب بن منبہ حضرت عیسی علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں اس کے بعد ان کی رفع اور آسمان میں زندہ کئے جانے کے قائل ہیں لیکن وہ اہل کتاب کی روایت کو زیادہ لیتے ہیں تو اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر اعتماد ہی نہیں کیا جا سکتا جو کسی معصوم (یعنی صحابی) سے روایت نا کرے۔

اور ابن اسحاق نے اسکی تصریح کی ہے کہ ان کی موت کے قائل تو نصاری ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ نے ان سلادیا تھا پھر اٹھایا تھا اور جو یہ کہتے ہیں کہ: زمین سے ان کو لیا اور پھر زندہ آسمان کی طرف اٹھایا ان دونوں اقوال میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے تو ابن حزم کا (المحلی) میں قول کہ "اللہ نے ان کو موت دی پھر اٹھایا پھر زندہ کیا آسمان میں اور پھر نازل ہونگے" ان کے اس قول کی موافقت نا ہی کوئی حدیث کرتی ہے نا عقل و دانش بلکہ ان پر موت کو مکرّر واقع کرنا سراسر نص قطعی کے خلاف ہے۔ اور (العبتیبہ) میں ان کی وفات اور پھر نزول کے قول کی نسبت مالک رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے اور شاید ابن حزم اس قول سے مغالطہ میں پڑ گئے ہیں اور ہم (العبتیبہ) کے حال کی وضاحت 1361ھ میں 34 نمبر سے بیان کر چکے ہیں، اور یہ قول سوائے وفات کی شق کے زیادہ غلط نہیں، کیونکہ امام مالک (العضل) اور (المحلی) میں نزول عیسی علیہ السلام کے عقیدے میں جماعت کیساتھ ہی ہیں۔

علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ: صحیح قول امام قرطبیؒ کا ہے کہ: اللہ تعالی نے ان کو بنا وفات اور نیند کے اٹھالیا اور یہی قول طبری رحمہ اللہ کا بھی مختار ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے۔

اور ابن جریرؒ نے اس آیت میں ''توفیٰ'' کی تفسیر میں نیند لے لینے یا موت کی روایات ذکر کرنے کے بعد کہا کہ : (ان سب اقوال میں ہمارے نزدیک سب سے صحیح ہے وہ ان کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ : میں تمہیں زمین سے لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث جن میں انہوں نے فرمایا تھا کہ ''عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے'' وہ متواتر ہیں، پھر نزول کی احادیث ذکر کیں پھر جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور دوبارہ وفات کے قائل ہیں ان پر حاصل رد کیا۔

اور ان کے اس قول : (ان سب اقوال میں سب سے صحیح) کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ کہیں نا کہیں حقیقت امر میں یہ کسی درجہ میں ٹھیک ہیں اور ایسا کہا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ ان میں نصاری کا مذہب ذکر کیا گیا ہے اور ان کی نظر میں ان کے قول کو صحیح سمجھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ، بلکہ ان کی بات بالکل ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ (فلاں گدھے سے زیادہ ہوشیار اور دیوار سے زیادہ سمجھدار ہے) جیسا کہ مختلف روایات نقل کرتے وقت ان کی عادت ہے ، اگرچہ ان کا علمی درجہ جتنا

بھی ہو ،اوران اقوال میں بعض تو حتمی طور پر باطل ہیں جن کے ذریعہ سے فتوی لکھنے والے شیخ صاحب ان ردشدہ روایات کو تقویت نہیں دے سکتے۔

اوراللہ تعالیٰ کا قول: ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي ''(مائدہ 117)کا مطلب ہے کہ (آپ نے جب مجھے آسمان کی طرف اٹھالیا، جیسے توفیت المال کو قبضتہ یعنی اس کو لے لینے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بات امام حسن سے روایت کی گئی ہے اور یہی جمہور کا اختیار کردہ بھی ہے،اورابو علی الجبائی معتزلی جو کہ شاذ رائے رکھنے میں سب سے زیادہ جراتمند ہیں سے روایت ہے کہ اس کا معنی یہی ہے کہ (آپ نے مجھے موت دی)اور کہا کہ ان کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا ان کی موت کے بعد تھا اور علامہ الوسیؒ نے کیا ہے کہ یہی قول نصرانیوں نے بھی اختیار کیا ہے۔

اور علامہ قرطبیؒ نے کہاہے کہ (ایک قول یہ بھی کہا گیاہے کہ)توفیتنی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے پہلے موت دے دی تھی اوراس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کے آسمان میں زندہ ہونے پر بہت سی موضوع احادیث موجود ہیں اور وہ اب بھی آسمان میں زندہ ہیں ۔اور توفی کا حقیقی معنی ہم بیان کرچکے ہیں جس کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہتا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ لفظِ توفی

کا ابتدائی متبادر معنی موت کا ہے تو آج کے دور کے پیش نظر اس کے فوری معنی موت کے ہو سکتے ہیں، لیکن آج کے دور میں کسی لفظ کا لغت میں ایک معنی اختیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نزول قرآن کریم کے وقت بھی صحابہ کرامؓ اسی لفظ کے تخاطب کے وقت یہی معنی مراد لیتے ہوں گے اور اگر کوئی توفی کے معنی صرف یہی سمجھے پھر تو (حین موتھا،الزمر42) کا لفظ آیت " اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا "(الزمر42) میں لغو ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بہت بالاتر ہے کہ اس میں کوئی بات لغو ہو اور جیسا کہ یہ کسی پر مخفی نہیں ہے کہ کتاب اللہ کی تفسیر کا دار و مدار اس طرز تخاطب پر ہے جو اس کے نزول کے وقت ہوتا تھا نہ کہ آج کل کے طرز تخاطب (لغت) پر۔

اور رسالت کا لفظ آج کل لغت میں واجب کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اور ایسا تو ہر گز نہیں کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث مبارکہ میں اس لفظ کو ہم واجب کے معنی میں لیں اس زمانے کے رائج معانی کو چھوڑ کر،اس طرح تو وحی اور اللہ کی طرف سے رسالت کے معنی کو ہم بے معنی کر دیں گے کیونکہ زمانے کے اعتبار سے لغوی تغیرات کو قرآن کریم میں چلانے سے یہ تحریف نہیں تو کیا ہو گا؟

اور قول باری تعالیٰ ''وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ''(النساء159)(اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے) میں (به)اور (موته) کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں، کیونکہ سیاق میں انہی کی بات چل رہی ہے، اور کیونکہ ایک ضمیر کا مرجع دوسری کے مرجع سے الگ کرنے سے ضمائر میں انتشار لازم آتا ہے اور اس قسم کی چیزوں سے قرآن کریم پاک ہے، اسی لیے الوحیان، جن کا درجہ عربی زبان میں کسی سے مخفی نہیں، نے کہا ہے کہ کلام کے سیاق سے ظاہر یہی ہے کہ ''به'' اور ''موته'' کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی لوٹتی ہیں اور اہل کتاب کے معنی ہوں گے ان کے نزول کے زمانے سے پہلی کتاب اور اس معنی کے مراد لینے سے کوئی ظاہری رکاوٹ نہیں ہے۔

اور ابن کثیرؒ نے فرمایا:۔اور ہم دلیل قطعی سے بیان کریں گے کہ یہی قول ہی بالکل ٹھیک ہے ، کیونکہ آیات کریمہ کے سیاق سے مراد ہی وہی ہیں کیونکہ مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو باطل قرار دینا ہے کہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور سولی چڑھایا اور ان جاہل نصاری پر جنہوں نے یہود کی بات کو مان لیا تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ معاملہ در حقیقت ایسا نہیں تھا بلکہ ان کو شبہ ہوا تھا اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے اس مشابہ آدمی کو قتل کر دیا تھا اور ان کو پتہ بھی نہ چلا اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے اٹھالیا اور وہ زندہ موجود ہیں اور احادیث متواترہ کے مطابق وہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے پھر انہوں نے نزول کے متعلق بہت سی احادیث ذکر کیں (جلد 1، ص 578 میں) اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ''تاریخ'' کی کتاب میں باب الملاحم اور باب الفتن کے آخر میں بھی انہی احادیث کو ذکر کیا جو غیر مطبوع ہے۔[1]

اور ابن جریرؒ کے کلام سے تو دونوں ضمیروں کا احادیث اور عقل و فہم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹنا بالکل واضح ہے اور اسی بابت ہم نے بھی 1361ء میں (34) نمبر میں واضح کلام ذکر کیا ہے۔

---

[1] بعد ازاں ابن کثیرؒ کی تاریخ کی یہ کتاب ''النھایہ'' کے نام سے شائع ہو گئی تھی

اور صحیحین میں ابوہریرہؓ کی صحیح روایت بھی موجود ہے جس میں انہوں نے ان دونوں کو عیسیٰ علیہ السلام پر لوٹایا ہے یا جیسا کہ ابن جریر اور ابن کثیرؒ کے یہاں بھی بروایت ابن عباسؓ جس کو محمد بن بشار نے ابن مہدی انہوں نے دی، انہوں نے ابھی حصین انہوں نے ابن خبیر اور انہوں

نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے اور یہ سند قوت کے اعتبار سے ایک پہاڑ کی ہے بلکہ یہ روایت ان سے بہت سی اسانید سے مروی اور مشہور ہے۔

اور ایسی سندیں جن میں عتاب بن شیر اور خصیف یا جن میں ابوہارون غنوی ابراہیم بن علاء اور عکرمہ یا جن میں جو پیر اور ضحاک یا جن میں محمد بن حمید اور ابونمیلہ یحییٰ بن واضح اور عکرمہ یا جن میں ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود اور شبل اور عبداللہ بن ابی نجیح ہوں کہاں وہ سندیں اور کہاں یہ سند! وہ اس تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔

اور روایت کے باب میں جب صحیح روایت موجود ہو تو غیر صحیح روایت کو نہیں لیا جاتا، اسی طرح ان کو بھی نہیں لیا جاتا جو احادیث کے ظاہری معانی کو مراد لینے سے روکے یا لفظ کو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا کر کسی اور معنی میں نکال دے جبکہ ظاہری معنی ''کو چھوڑنے'' کی کوئی دلیل بھی موجود نہ ہو، اس سب سے معلوم ہوا کہ یہ احتمال بنا دلیل کے ہے جس سے آیت کا نزول عیسیٰ علیہ السلام پر واضح نص ہونے میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور زمخشری کے یہاں (موتہ) کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے، تو وہ انہوں نے شہر بن حوشب کی روایت سے اخذ کیا ہے جس کو وہ ٹھیک سمجھتے تھے، حالانکہ روایت جب صحابی یا جس نے صحابی سے روایت کی ہو اس سے ثابت ہونے کے بعد محض رائے یا فہم وفراست پر نا اعتماد کیا جاتا ہے نا اس کو لیا جاتا ہے، کیونکہ اہل دین

کے یہاں (جب اللہ کا فیصلہ آجائے تو عقل کا فیصلہ باطل ہوجاتا ہے) اور اگر زمخشریؒ کو علم ہوجاتا کہ محمد بن سائب کلبی کی بشیر بن حوشب سے روایت رد کی گئی ہے تو وہ اس کو کبھی بھی نا لیتے۔

اور امام نوویؒ کا قول اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کی روایت کے مطابق ہے لیکن ان کی بقیہ قراءت سے مخالف ہے، اور اُبیؓ کی قراءت کی سند میں عتاب بن بشیر اور خصیف ہیں جو کہ دونوں ضعیف ہیں اور اہل علم کے یہاں آیت کی تفسیر میں شاذ روایتوں کو تب تک نہیں لیا جاتا جب تک وہ بطور حجت مقبول نہ ہوں۔

اور اہل کتاب کی طرف ضمیر لوٹانے سے یہ آیت ہر کتابی کیلئے عام ہو جائے گی (یعنی ہر ایک کتابی ایمان لائے گا) جبکہ اس میں تو قرآن کے بالکل مخالف معنی لازم آئے گا کیونکہ اس طرح تو (قبل) کا معنی ہی نہ رہے گا کیونکہ اس طرح تو اس کا مطلب ہوگا ہر اہل کتاب اپنی موت کے وقت ایمان لائے گا اس سے قبل نہیں اور یہاں ایمان کو معروف ایمان یعنی ایمان نافع کے خلاف محمول کرنا تو شرع کے خلاف ہے کیونکہ یہ ایمان (موت کے وقت) تو ایمان نافع نہ ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ

نے جس بات کی ''لیومنن بہ'' سے تاکید کی ہے اس کو بھی بے معنی قرار دینا لازم آئے گا۔

اور عام کو یہاں پر اپنے عموم پر رکھنے سے ایک جیسی / مشتبہ چیزوں میں عدم تدبر ظاہر ہوتا ہے کیونکہ لام القسم اور نون التاکید یہ دونوں فعل کو مستقبل بنارہی ہیں تو ''یومنن'' کا معنی ہوگا کہ مستقبل کے خاص زمانے میں ہر کتابی ایمان ضرور لائے گا اس کا تعیین (قبل موته) کی قید لگانے سے ہوتا ہے جس سے کلام عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد تک منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے) تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان کے نزول کے بعد جو لوگ موجود ہوں گے ان میں نازل ہوں گے آپ علیہ السلام کے زمانے میں موجود لوگوں میں نہیں۔

اور مشتبہ جگہوں میں اور قرائن کے ساتھ قرآن کریم میں بہت ساری جگہوں میں تخصیص کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ احادیث اور فہم وفراست دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ''وانه لعلم للساعة'' (الزخرف 61) تو اس میں صاحب اختلاف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور ان کے علاوہ کسی کی طرف لوٹنے کا احتمال نہیں ہے، لیکن انہوں نے اس کے سیاق میں کچھ ایسا ڈھونڈنے کا سوچا جس سے وہ آیت کو اس کے معنی سے ہٹا دے، لیکن ان کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس میں مخاطب مشرکین اور اہل کتاب کو قرار دینے سے نہ کوئی نقصان ہوگا نہ فائدہ، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونے کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور ان پر ایمان ہی نہیں لاتے تو جس کو وہ تسلیم ہی نہیں کرتے اس کو ان پر حجت بنا کر پیش کرنے کا تصور کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ بات تو متیقن ہو گئی کہ بطور قیامت کی نشانیوں کے حوالے سے ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی لوٹ رہی ہے اور یہ آیت ان کے نزول پر صریح نص ہے جس سے رو گردانی نہیں کی جا سکتی۔

اور دو زیر کے ساتھ ''لعلم للساعةٍ'' کی قراءت یہ کئی صحابہؓ اور تابعینؒ کی قراءت ہے جیسا کہ (البحر) وغیرہ میں موجود ہے، لیکن شیخ صاحب نے (شیخ شلتوت)

اس کی سند صحیح ہونے کے باوجود اس سے چشم پوشی کی ہے کیونکہ یہ قراءت ان کی پسند کے خلاف تھی کیونکہ اس

قراءت سے ضمیر کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹنا اور ان کے نزول کا قیامت کی نشانی ہونا متعین ہو جاتا ہے باوجود اس کے کہ وہ تو ابی بن کعبؓ کی قراءت کو اس کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود بہت اہتمام اور تاکید سے لیتے تھے کیونکہ وہ ان کو اپنے مفاد پر رکھتی تھی اور خواہش نفس ایسی ہی ہوتی ہے۔

اور صحیح ابن حبان میں بسند صحیح و صریح حضرت ابن عباسؓ کی روایت موجود ہے جس میں وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ آیت "وانه لعلم للساعة" پڑھی اور فرمایا: اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے قبل نزول ہے۔

ان سب باتوں کے بعد تو ایسا بندہ جو علم کے پیمانوں کے آگے زیر ہو چکا ہو اس کے لیے اس سب کے بعد محض اپنی سرکشی کی وجہ سے جماعت کے عقیدے پر رد کرنا ممکن ہے؟ جبکہ اہل تفسیر تو رفع عیسیٰ اور نزول عیسیٰ کے ساتھ ساتھ ان آیات کے اشارات سے زمخشریؒ کی مثالیں سمجھ گئے جو ان کے زیر پن کی دلیل ہے اور ان کی

صریح وضاحتوں کے بعد اس قسم کی صریح آیات کے بارے میں بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

اس سے شیخ صاحب کے اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ (قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی دلیل موجود نہیں جو ظاہری الفاظ سے نزول عیسیٰ اور رفع عیسیٰ پر ظنی دلالت کرے قطعی دلالت تو دور کی بات جس کی وجہ سے اس کو ایسا عقیدہ کہا جاسکے کہ جس کا منکر کافر قرار دیا جائے جیسا کہ ان کا دعوی ہے) اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف قرآن کریم کی آیات ہی عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے اور پھر آخر زمانے میں ان کے نزول پر حتمی دلالت کرتی ہیں اور ان کے بارے میں جو بنا دلیل کے خیالی احتمالات موجود ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اب ہو بھی کیسے ؟ کہ احادیث کا اس پر تواتر رہا ہے اور امت اپنے اسلاف سے مسلسل اس عقیدے کو لیے چلی آرہی ہے اور پرانے زمانوں سے لے کر آج تک اس عقیدے کے متعلق بہت سی تصنیفات لکھی گئی ہیں اور حق کے بعد بھٹکنے کے سوا اور کیا ہے ؟

حدیث نبوی سے عقیدہ کا ثبوت

نمبر 518 میں صاحب مقال نے اسی عنوان کے تحت اس کے شروع میں لکھا ہے کہ (جیسے ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جو ظاہری الفاظ سے نزول عیسیٰ اور رفع عیسیٰ پر غالب ظن کے معنی دے قطعی تو دور کی بات ہے)
اور پڑھنے والے معزز ساتھی پچھلی فصل میں اس دعوی کے ہر زوایے سے باطل ہونے کے بارے میں جان چکے ہیں، جس میں ہم نے ثابت کیا کہ قرآن کریم میں ایسے قطعی نصوص موجود ہیں جو رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام پر دلالت کرتے ہیں اور اسی معنی کو ہر زمانے میں امت کے ائمہ اور علماء خصوصا مفسرین لے کر چلے ہیں ،اوران کی موت اوراس کے بعد رفع کی روایت وہب بن منبہ اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے جو انہوں نے اہل کتاب سے نقل کی ہے اور اور اہل کتاب نے تو ایسا کہنا ہی تھا کیونکہ انہوں نے ان کے قتل اور سولی پر چڑھائے جانے کا دعویٰ جو کیا تھا۔
اور قرآن کریم نے اسی بات کی تکذیب کی ہے، جس سے اہل حق کا قول ہی باقی رہ جاتا ہے کہ ان کو زندہ اٹھایا گیا اور وہ قرب قیامت نازل ہوں گے اور جس نے توفی کا

مطلب موت سے کیا ہے جیسے قتادہ اور فراء نے (انی متوفیك ورافعك الی) میں تو وہ باب تقدیم ماحقہ التاخیر سے ہے (یعنی واقع ہونے کے اعتبار سے مؤخر چیز کو لفظاً مقدم کرنا) اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے جیسا کہ اللہ کے اس قول میں بھی ہے "واسجدی وارکعی" (اور تم سجدہ کرو اور رکوع کرو) اس میں سجدہ کو رکوع سے پہلے ذکر کیا حالانکہ سجدے کا ذکر بعد میں ہونا چاہیئے تھا۔

اور ابن حزم ان کی موت اس کے بعد رفع اور اس کے بعد نزول کے قائل ہیں، تو وہ اس لیے کہ ان کو (العتبیہ) میں وارد قول سے مغالطہ ہو گیا تھا، جس کا مطلب (الاسلام) نامی رسالے میں 1361ھ میں 34 نمبر میں واضح کیا جا چکا ہے، اور ان کی موت کے متعلق امام مالک کی طرف منسوب قول اہل جرح وتعدیل کے یہاں ساقط ہے اور توفیٰ کے معنی موت کے لینے سے الفاظ کی تحریف لازم آتی ہے، جیسا کہ یہ سب ابن قتیبہ اور ابن جریرؒ اور زمخشریؒ وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد فتاویٰ اور فراء کے تقدیم وتاخیر پر آیت کو محمول کرنا ضروری ہے تاکہ دلائل میں توافق ہو جائے کیونکہ (واو) ترتیب پر دلالت نہیں کرتی، اور معتزلہ کی طرف ان کے رفع کے انکار کی نسبت کرنا کم علمی ہے کیونکہ یہ قول تو جبائی کا ہے

جو کہ کثرت شذوذ سے مشہور ہیں اور ان کا ایک شذوذ یہ بھی ہے کہ خبر واحد کو بطور دلیل لینا عقلاً جائز نہیں ہے اب اگر صاحب مقال (شیخ شلتوت) نے ان کی رائے کو لے لیا ہے تو وہ خبر واحد کی احادیث سے ایک جھٹکے میں ہی الگ ہو گئے ہیں ۔اور ایک ایسا شخص جس کی جماعت کی طرف وہ اپنی نسبت کو پسند نہیں کرتے،اور وہ ہے معتزلہ کا خطیب اور ان کا سردار، آپ دیکھیں گے کہ (الکشاف) نامی کتاب میں وہ اپنی تحریر میں رفع عیسیٰ اور نزول عیسیٰ کا اقرار کر رہا ہے،اسی طرح امامیہ فرقہ والے امام مہدی کے خروج کا دفاع کرتے وقت رفع ونزولِ عیسیٰ کا اقرار کرتے ہیں تو اب رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا منکر جماعت سے الگ،خواہش نفس کا تابع اور قرآن وحدیث کا مخالف ہی شمار ہو گا اور جماعت کے عقیدے کو ترک کرنا جو کہ قرآن حدیث سے ماخوذ ہے اور ایک ایسی رائے کو اختیار کرنا جو اہل کتاب کی تعلیمات سے ماخوذ ہے یہ پرلے درجہ کا انحراف اور علیحدگی ہے اور ابن عیلہ کہہ چکے ہیں کہ (علیحدہ رائے کو منحرف اور علیحدہ شخص ہی اپناتا ہے)

ہر کاتب نے خبر واحد اور حدیث متواتر کو مفصل ذکر کیا، جس کو ذکر کرنا ضروری نہیں اور بعض اہل علم کی باتوں میں خود سے کمی بیشی کر کے اس امید سے ذکر کیا کہ

ان سے اپنے کلام کی اصلیت چھپا سکیں اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے یہ کیا ہے کہ (خبر واحد صرف عمل کے معنی دیتا ہے اور عمل سے مراد اعضاء و جوارح اور قلب کا عمل ،یعنی عقیدہ۔ مراد لیا جیسا کہ بزدوی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے انہوں نے خبر واحد کی بحث کے آخر میں کہا)

آخرت کے احکام کے بارے میں جو خبر واحد وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض مشہور ہیں اور بعض ان سے درجہ میں کم ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی درجہ میں علمی معنی دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے کیا اور ان میں کسی درجہ میں عمل بھی پایا جاتا ہے اور وہ ہے دل کا اقرار کہ دل کے اقرار کو علم اور معرفت (کسی چیز کو جان لینے) پر فوقیت حاصل ہے لیکن یہ اس کے ساتھ لازم بھی نہیں ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''**وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا 0 فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ** ''(ترجمہ اور انہوں نے ظلم اور گھمنڈ کی وجہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا)اور اللہ کا فرمان ہے ''**یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم**'' (وہ اس کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے

بیٹوں کو) لٰہذا دلی اعتقاد کا معنی بھی ٹھیک ہوں گے جیسا کہ اعضاء وجوارح سے عمل کر کے ٹھیک ہو گا۔

اس سے کتب حدیث میں غیبی امور اور آخرت کے امور پر مشتمل اخبار آحاد کی کتب حدیث میں تدوین کی وجہ سمجھ آتی ہے اور یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ علم اور اعتقاد میں مکمل تلازم کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے جیسا کہ سابقہ تفصیل میں گزرا، اب یہ خوب ظاہر ہو گیا کہ کون (صحیح عقیدے) کے صحیح کو سمجھا ہے اور کون نہیں سمجھا، اور یہ کہ کس نے صلاحیت ہونے کے بنا پر دعویٰ کیا اور ایسا اسی بندے کے ساتھ ہوتا ہے جو علم حاصل کرنے سے پہلے ہی دعوے کرنا شروع کر دے۔

پھر جس نے یہ کہا ہے کہ کہ خبر واحد علم کا معنی نہیں دیتی، کہنے والا اس خبر واحد کے بارے میں بتانا چاہتا ہے کہ جو جماعت کی رائے میں لیا جاتا ہے، وگرنہ تو وہ خبر واحد جس کو امت نے قبول کیا ہے اس کا سچا ہونا قطعی ہے جیسا کہ ابوالمظفر السمعانی نے (القواطع) میں یہ بات ذکر کی ہے اور امام سخاوی نے (فتح المغیث) میں بعض محققین کی جماعت کے بارے میں کہا ہے کہ (خبر واحد میں جب قرینے موجود ہوں تو وہ علم ثابت کرتا ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو کہا ہے کہ: مسلم اور

بخاری نے جن راویوں پر تنقید کی ان کے سوا کسی بھی خبر واحد پر متفق ہوں وہ علم ثابت کرتا ہے کیونکہ اس میں قرائن موجود ہوتے ہیں اور ان میں سے امام غزالیؒ بھی ہیں۔

اور خبر واحد پر عمل کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ امام ابوالحسن الکرخیؒ نے فرمایا ہے اور سمعانیؒ نے (القواطع) اور امام غزالیؒ نے (المستصفی) اور عبدالعزیز بخاری نے (شرح اصول فخر الاسلام) میں ذکر کیا ہے۔

اور عقیدہ رکھنا یہ قلبی عمل ہے جو خبر واحد سے اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ فخر الاسلام نے بیان کیا تو خبر واحد سے عقیدہ اخذ کرنے کا انکار دراصل دلیل قطعی جو کہ علم ثابت کرتی ہے اور خبر واحد کے ذریعہ وجوبِ عمل کا انکار اعضاء کے عمل و دل کے عمل (یعنی عقیدہ) سے کہیں زیادہ عام ہے تو کاتب کا مقصد اس کے ساتھ کیا ہوگا؟

حتیٰ کہ بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نزول کی حدیث خبر واحد ہے

تو معلوم ہوتا ہے کہ امت کے حفاظ عبث ہی نہیں آخرت اور غیبی امور کی احادیث اپنی کتابوں میں جمع کر رہے تھے، اور نہ ہی علماء! کہ وہ اس کاتب کے خیال کے باوجود بھی سماعی احادیث کو عقائد کی کتابوں میں لکھتے تھے۔

پھر امام غزالی نے کا بعض محدثین کے اس قول (کہ خبر واحد سے علم ماخوذ ہوتا ہے میں علم کی تاویل عمل کے واجب ہونے سے کی، لیکن اس سے ابن حزمؒ کے کلام کی تاویل نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ان کے ذاتی قول سے جو (الاحکام جلد 1 ص 124) میں موجود ہے کے منافی ہے، وہاں انہوں نے مقدمہ ذکر کرنے کے بعد کیا اور جب یہ سب صحیح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ خبر واحد جس میں عادل بندہ اپنے جیسے عادل بندے سے روایت کرلے اور سند کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچائے تو یہ ایک قطعی حق بن جاتا ہے جس سے علم و عمل دونوں ثابت ہوتے ہیں، اور ان کی اس رائے میں بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہیں جن کا انہوں نے وہاں ذکر کیا ہے، اور جو عالم نفسانی خواہش سے دور ہو وہ بات نقل کرتے وقت صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا جس کو اپنی ذاتی رائے کیلئے فائدہ مند سمجھتا ہے بلکہ حق کو ہی فائدہ مند سمجھتا ہے چاہے جیسے بھی ہو۔

اور نزول عیسی علیہ السلام کی حدیث بالفرض خبر واحد ہے بھی لیکن اس پر کسی بھی قسم کی نکیر کیے بغیر امام بخاریؒ اور مسلمؒ اس کو لینے پر متفق ہیں، اور امت نے نسل

در نسل اس کو نقل کیا ہے، اور علمائے امت صدیوں سے اس میں موجود عقیدے کو لیتے چلے آئے ہیں تو اسی بنیاد پر اس کو لینا اور اس کا عقیدہ رکھنا حتمی بن گیا۔

اور یہ تب کی بات ہے جب اس کو خبر واحد فرض کیا جائے تو اگر وہ قطعی طور پر متواتر حدیث ہو تو کیا معاملہ ہو گا، جیسا کہ ہم نے عظیم علماء کے اقوال اور نصوص کو ذکر کیا ہے تو حدیث شریف کے ان سب گوشوں سے باخبر ہونے کے باوجود بھی اس کا انکار کرنا بہت خطرناک امر ہے جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اور نزول کی احادیث میں محقق تو حدیثِ متواتر ہی ہے اور علامہ بزدویؒ نے حدیث متواتر کی بحث کے آخر میں لکھا ہے کہ حدیث متواتر کا منکر اور مخالف کافر ہو جاتا ہے اور پھر متواتر کی مثالوں میں (قرآن کریم، پانچوں نمازیں، نمازوں کی رکعتوں کی تعداد، زکوٰۃ کی مقداریں وغیرہ کو ذکر کیا اور نزولِ عیسیٰ بھی اپنے تواتر میں زکوٰۃ کی مقداروں سے کم نہیں ہے۔

پھر علامہ بزدویؒ نے کہا کہ (لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے حدیث کے ذریعہ سے علم کو ثابت کرنے کا سرے سے انکار کیا ہے اور یہ نادان بندہ نہ تو خود اپنے آپ کو جانتا ہے نہ اپنے دین کو اور نہ دنیا کو اور نہ ہی اپنی ماں یا اپنے باپ کو)

توان کی اس بات سے کاتب اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے کتنی دور ہیں کہتے ہیں کہ (اس طرح آپ علماء متکلمین اوراصولین کے نصوص اس بات پر متفق پائیں گے کہ خبر واحد یقینی علم نہیں دیتی لہٰذا اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا) ہم اور علمائے محققین اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے اور ان کی کسی بات میں اختلاف کرنا ٹھیک نہیں ہے اور پھر قائل کے قول (کہ خبر واحد سے علم ثابت ہوتا ہے) بقول کاتب یہ قائل ابن حزم ہیں) کو اس پر محمو کرتے ہیں کہ ان کی مراد علم سے ظن ہے جیسا کہ مذکور ہے یا پھر عمل کے وجوب کا علم) اور علماء کو وہ اتفاق کہاں ہے جس کی بات یہ کر رہے ہیں۔

جبکہ ابو حامد الاسفرائینی اور ابو اسحاق الاسفرائینی اور قاضی ابو الطیب اور ابو اسحاق شیرازی اور شمس الائمہ علامہ سرخسی اور قاضی عبدالوہاب جیسی شخصیات کے قول اور ابن منداد کی مالکؒ سے روایت اور ابو یعلی اور ابن الزاغونی اور ابن فوزک کے اقوال اور انہی جیسے باقی علماء کا تو اس پر اتفاق ہے جس پر امام بخاریؒ اور مسلمؒ کا اتفاق ہے ،اور اس پر اتفاق ہے کہ حدیث واحد میں جب قرینے موجود ہوں یا مطلب خبر واحد ہو تو کب اس کو لیا جاتا ہے جیسا کہ سابق میں گزرا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ خبر واحد عمل کو ثابت کرتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے لیکن اس عمل کے اندر ہی دل میں اس عمل کا اقرار بھی شامل ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ وہ بنا کسی شرط کے علم و عمل دونوں کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ابن حزم کا قول ہے ،اور ایک فریق نے کہا کہ خبر واحد سے علم و عمل دونوں ثابت ہوتے ہیں جب اس میں قرینہ موجود ہو اور ان سب اقوال میں سے کوئی بھی قول کاتب کے حق میں نہیں جا رہا اگر وہ غور کرتے ، کیونکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ وہ قلبی عمل (یعنی دل کا اعتقاد اور اقرار) کو ثابت کرتا ہے اور اس کا عمل کو ثابت کرنا تو قطعی ہی ہے اور کاتب اس قطعی ثبوت کا انکار کرتے ہیں۔

اب اگر بندہ کسی عقیدے کے متعلق خبر واحد کو سنے اور اس پر یقین کرلے تو اس کا آخرت میں اس کو نجات دلانے والا ایمان حاصل ہو گیا کیونکہ اس سے مطلوب ہی پختہ ایمان رکھنا ہے اگرچہ اس کے علم ہونے کے ذریعہ اور طریقہ کوئی بھی ہو ،اور اس سے یہ بھی لازمی نہیں کہ اس معاملہ میں اس خبر واحد کے سوا کوئی دلائل ہی نہ ہوں ،اور یہ بھی لازم نہیں کہ اپنے زمانے میں صرف وہی اس دلیل کو لیے ہوئے ہو اگرچہ اس اعتقادی مسئلہ میں دیگر دلائل قطعیہ بھی موجود ہوں جیسا کہ

عبدالعزیز بخاریؒ نے (شرح اصول البزدوی) میں کہاہے کہ اکثر اصحاب حدیث کا کہناہے کہ جب علمائے حدیث کسی حدیث کے صحیح ہونے کا حکم دے دیں تو وہ یقینی علم دیتاہے اور یہی احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ہے)اور امام شافعیؒ کا قول ہے، جب ان سے کسی نے خبر واحد کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ اس حدیث کو لیتے ہیں ؟تو انہوں نے جواب دیا (کیا تم مجھے کنیسہ سے نکلنے والا سمجھتے ہو یا تم مجھ پر نصرانیوں جیسی پٹی دیکھتے ہو یعنی کیا مجھے نصرانی سمجھتے ہو کہ اس حدیث کو ترک کر دوں)ان کی یہ بات اس حدیث سے اعراض کرنے والے پر ان کی غایتِ غصب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ان سے مختلف اسانید سے یہ بات بہت سی کتابوں میں منقول ہے

۔

اور امام غزالیؒ کا بعض مشارقہ کے اس قول (کہ خبر واحد علم کو ثابت کرتا ہے) کی تاویل بیان کرنا تو وہ ابن حزم کے کلام کی توجیہ ہر گز نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ خود ان کے صریح کلام کے منافی ہے جیسا کہ گزر چکا، اور یہ سب تب ہو گا جب فرض کیا جائے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث خبر واحد ہے جیسا کہ کاتب کا دعویٰ ہے ،وگرنہ تو بڑے علماء کے مکتوبات سے طے ہو چکاہے کہ یہ احادیث متواتر ہیں

اور جس خبر واحد میں قرینہ موجود ہو وہ امام غزالیؒ کے یہاں خبر واحد کی ایک قسم ہے۔

اس سے بھی خطرناک بات ان صاحب کی بات ہے کہ (یہاں یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہم نے فتویٰ میں جو کہا تھا کہ (خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ ہی غیبی معاملات میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے) اس پر عقلاء کے نزدیک اجماع ہے اور عقلی لحاظ سے یہ ایسی ثابت شدہ بات ہے جس میں اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح انہوں نے اپنی بات سے علماء امت کی عقل سلب کر لی جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ان کی جیسی رائے رکھتا ہو اور ان کے فتوے کا یہ قول اپنے دونوں پہلوؤں کے ساتھ غلط اور باطل ہے جیسا کہ ان کا اس قول پر تبصرہ کرنا بھی باطل ہے کیونکہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اس بارے میں ہی اہل علم کے مکتوبات ذکر کیں، جبکہ وہ خوب عقل مند ہیں اور جو ان کو نہ سمجھ اور بے وقوف کہے گا آیا وہ خود بھی عاقل ہو سکتا ہے؟ اور یہ سب بھی اس کے منافی نہیں کہ یہ اس کے سوا باقی دلائل سے ثابت ہو۔

اور اگر غیبی امور میں خبر واحد پر اعتماد نہ کیا جاتا تو حفاظ امت کا ان کے متعلق مواد کا اپنی کتابوں میں تصنیف کرنا عبث ہوتا اور علماء توحید کا اپنی کتابوں میں غیبی امور کو ذکر کرتے وقت یہ کہنا کہ یہ حدیث صحابی رسول سے صحیح ثابت ہے، اور اس کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنے سے کوئی معنوی رکاوٹ نہیں ان کا یہ کہنا دین کے ساتھ مذاق ہوتا۔

کیونکہ اہل علم کے یہاں ایک مقرر اصول ہے کہ احادیث کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک ان کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہ ہو پس اگر ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہ ہو تو صرف اسی وقت اس کی تاویل کی جاتی ہے یہ حضرات اس خاص صورت کو امتناعِ عقلی یا امتناعِ شرعی کہتے ہیں۔

پھر عجیب بات ہے کہ دونوں پہلوؤں سے اس باطل حکم کو ذکر کرنے کے بعد کاتب کہتے ہیں کہ اس امر پر اجماع ہے باوجود اس کے کہ خود اجماع کو دلیل اور حجت نہیں سمجھتے، جیسا کہ (الرسالہ میں 519) نمبر میں ان کے کلام سے واضح ہے ۔یہ تو ہنسنے کا مقام ہے کہ جس کا اصل ہی باطل ہے اس پر اجماع ثابت ہونے کی بات کی جائے ،بلکہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کو بھی نقل کرنا ایسے

بندے کے نزدیک صحیح نہیں جو عقل رکھتا ہو، بلکہ ان کا یہ قول ہی (کہ یہ کم عقلی دلائل سے ثابت ہے جن میں عقلاء کے یہاں اختلاف کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے) کسی ایسے بندے کی طرف سے نہیں ہو سکتا جس کا کلام باوزن اور قابل عمل ہو۔ پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ شخص جس کو صحیحین اور سنن اور مسانید اور جوامع اور دیگر مصنفات میں تو کوئی حجت اور دلیل دکھائی نہیں دیتی، تو وہ کیسے متاخرین کی رائے کو حجت بنا رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے جو بات وہ کہہ چکے ابھی زیادہ پرانی تو نہیں ہوئی ؟ مثلاً ابن الصلاح کی بات جو وہ متواتر حدیث کے بارے میں کرتے ہیں اس میں اگر ان کو حجت مانتے ہیں تو جو بات وہ صحیحین کے بارے میں کہتے ہیں وہ بھی حجت ماننی چاہیئے، اور وہ اپنے مقدمہ میں واضح کہتے ہیں کہ صحیحین کی احادیث قطعی ہیں اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کی روایت پر ان دونوں کا اتفاق ہے۔ پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے بنایا تھا باطل ہو کر رہ گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ابن الصلاح کی بات تواتر لفظی میں ہے تو ان کے کلام کا ہمارے کلام سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر ان کا یہ سمجھنا کہ اس میں تواتر لفظی نادر ہے تو یہ حقیقت کے خلاف ہے جیسا کہ اس پر بہت سے حفاظ

حدیث نے کلام کیا ہے جیسے الزین عراقی اور ابن حجراور سخاوی اور سیوطیؒ وغیرہ ،توانہوں نے دلیل کواور معاملہ کو بالکل واضح کر دیااور انہوں نے ان کے نصوص کو یہاں نقل کیاتا کہ ہم اس معاملے میں نوجوان طالب علموں کو جو وہ پڑھا رہے ہیں اس میں کلام کریں؟

اور تواتر معنوی کاانکار کوئی نہیں کر سکتا کہ جب ایک ہی مضمون بہت ساری احادیث میں مشترک پایاجائے اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث میں تواتر معنوی ہے کہ اس میں بہت زیادہ احادیث مشترک ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور حسن درجہ کی بھی ہیں جن میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی تصریح کے ساتھ ساتھ ہر حدیث دوسرے معانی پر بھی مشتمل ہےاور جس کو بھی علم حدیث کا کچھ نہ کچھ علم ہو وہ اس بات کاانکار کر ہی نہیں سکتا۔

اور تواتراور اجماع کے شروط کااختلاف ان دونوں کی ذات کو کمزور کرنے میں کوئی اثر نہیں رکھتا کیونکہ کسی بھی چیز میں اختلاف کی وجہ سے اس کی ذات کو کالعدم قرار دیاجائے ایسا نہیں ہے،اور عقل سے اختلاف کرنایانہ کرنا یہ انسانوں کا کام ہے یوں تولوگوں کااللہ تعالیٰ کی ذات عالی میں اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی ذات

گرامی میں اختلاف رہا ہے اور ہر قسم کی چیزوں میں رہا ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ سے ان اقوال کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد ان حقائق کی قطعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

لہٰذا اجماع اور تواتر کی شرط قبول کرنے میں اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کو کمزور قرار دینا قلت تدبر اور سوءِ فطرت کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے، جبکہ اہل علم کے یہاں مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات مقرر ہے کہ تواتر ثابت ہونے کیلئے پانچ روایات یا اس سے زیادہ کی کسی خاص تعداد کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تمام طبقات کے اندر اتنے لوگوں نے اس روایت کو نقل کیا ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو اور احادیث کی اقسام میں سے یہ قسم حدیث کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہے اس کی بکثرت روایات وار ہونے کی وجہ سے۔

اور اہل علم جس روایت کو متواتر قرار دیں اس کی بہت سی اسانید صحاحِ ستہ، سنن ،جوامع ،مسانید اور تاریخ کے ساتھ مختلف اجزاء اور کتابوں میں موجود ہوتی ہیں ،اور اس کی اسانید صحیح اور حسن اور وہ ضعیف روایتیں جو قلت ضبط کیوجہ سے ضعیف ہیں لیکن جب ان کا ضعف اس بات سے ختم ہو جائے کہ اسی روایت میں

ان کو ثقات کی موافقت حاصل ہو جائے تو اس صورت میں جن پر قلتِ ضبط کا حکم لگایا تھا اب ان پر ضبط کا حکم لگالیں گے ،اور ضعیف احادیث ان صحیح اور حسن احادیث سے مضبوط ہو جاتی ہیں جبکہ فاسد اسانید میں روایت کی کثرت نہ توان کو حسن روایت بناتی ہیں نہ صحیح، متواتر ہونا تو دور کی بات۔

اور جس کو انہوں نے خود متواتر تصور کر لیا تو اس کی تخریج صحیحین اور باقی سنن،اسانید اور احادیث کی کتابوں سے کرنا شروع کر دیتے ہیں،تو جس کا قلب اس قسم کی روایات پر بھی مطمئن نہ ہو وہ کسی پر بھی مطمئن نہ ہو گا اگرچہ اس کے سامنے تمام آسمانی کتابیں ہی کیوں نہ رکھ لی جائیں، اور معنوی تواتر کا کثرت سے پایا جانا علماء کے درمیان مختلف فیہ نہیں ہے،اور نہ ہی ابن الصلاح کے قول کے مخالف ہے، بلکہ حدیث کا مطلقاً مشہور کتب حدیث (جو کہ مشرق و مغرب میں اہل علم کے یہاں پائی جاتی ہے) میں اتنی زیادہ اسانید کے ساتھ پایا جانا کہ ان سب رواۃ کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً ممکن نہ ہو ہر حافظ کے ہاں ان کے عقل کے مطابق اس حدیث کے متواتر ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

اگران کے الفاظ ایک جیسے ہوں تو تواتر لفظی ہوتا ہے اور اگرالفاظ مختلف اور معنی ایک جیسا ہو تو تواتر معنوی ہوتا ہے سب کے نزدیک اس کی قدر مشترک ہے ۔اوراہل علم کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قسم بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور ان سب کتابوں کاان احادیث کی تخریج کرنادراصل (بعض کے الفاظ کے مطابق)ان مختلف اسانید پر مشتمل روایتوں کی کثیر تعداد پر متفق ہونا ہے،اور یہی توان کے متواتر ہونے کی اصل وجہ ہے، کیونکہ کلام کو استغراق حقیقی پر محمول کرنا تو باطل ہے، کیونکہ کسی بھی دور میں ان سب کی سب روایات کو چند مخصوص کتابوں میں جمع کرنا ممکن نہ تھا، توچند مشہور کتابوں میں ان کو جمع کردینا کافی تھا(جن میں ان اسانید کو جمع کیا گیا تھا) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ علماء کیلئے کسی چیز کا اپنے لیے ناممکن قرار دیناان کی عادت نہیں ہے۔

توکتنی ہی حدیثیں ہیں جو مثلاً مؤطا یاابن الجارود کی منتقی میں موجود نہیں ہیں لیکن باقی صحاح اور سنن اور مسانید اور جوامع میں موجود ہیں، کیونکہ مؤطااور منتقی میں احکام سے متعلق احادیث پر اکتفا کی گئی ہے،اور مذکورہ حدیث بابِ احکام میں سے نہیں ہے۔

اور متواتر کے نادر الوجود ہونے کے دعویٰ کے ضمن میں ان کا ابن الصلاح کو غلط ثابت کرنے کے بارے میں تفصیل (نکت) اور العراقی کی (شرح الألفیۃ) اور علامہ سیوطی کی (التدریب) اور ان کے علاوہ دیگر معروف کتب میں بمع زبردست دلائل کے موجود ہے اور کاتب کا اس قول کو متواتر کی بحث میں وارد سب اقوال سے زیادہ گنجائش والا گنوانا غلط ہے بلکہ اس کو تو زبردست دلائل سے محقق کیا گیا ہے اور ایک ایسا مسلک جس میں تواتر ثابت ہونے کیلیئے پانچ سے زیادہ راویوں کی شرط نہیں لگائی گئی وہ تواتر میں سب سے زیادہ گنجائش والا قول ہی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ متواتر حدیث کے تواتر کو ثابت کرنے کیلیئے رواۃ کے عدد میں جو اختلاف ہے وہ کاتب کے ذہن سے نکل گیا تھا لہٰذا سب سے درست قول جماعت کا قول ہے اور اس کے سوا کسی قول پر حجت قائم نہیں ہو گی، سو کاتب کا تمام کتب کے اس حدیث کی تخریج پر جمع ہونے کی رائے کو اختیار کرنے کی کوشش کرنا اور اس قول کو تمام اقوال میں سے گنجائش والا قرار دینا تو اصل میں لوٹ کے اوپر ہی جانا ہے۔

وہ نزول عیسیٰ کاانکار کرتے ہیں بلکہ ان کی بہت سی تحریرات ہیں جوانھوں نے اپنے ساتھیوں کوارسال فرمائیں ہیں جن میں اہلسنت کا عقیدہ درج کرکے بھیجااور ان سب تحریرات میں یہ مسئلہ موجود ہے اور ان تمام خطوط کی راویات کی اسانید اہل علم کے پاس موجود ہےاورابن الجوزیؒ کی کتاب (مناقب احمد) میں اورابن ابی یعلی کی (طبقات الحنابلۃ) میں شائع ہیں اور دیگر کتب میں بھی اور اہل ظاہر کا بھی یہی مختار مذہب ہے۔

اور ان کے نزول پر ابن حزم کی واضح تحریر (الفصل) جلد 3، ص 249 میں اور المحلیٰ کی جلد 1 ص 9اور جلد 7 ص 391 میں موجود ہےاور زمخشریؒ کے کلام سے معلوم ہوتاہے کہ یہی مذہب معتزلہ کا بھی ہے اور امامیہ کا بھی جیسا کہ ان کے اپنے کلام سے یہ ظاہر ہے جب وہ مہدی منتظر کادفاع کرتے ہیں۔

تواس قسم کامسئلہ جس کی دلیلیں تمام صحاح اور تمام سنن اور ساری مسانید میں موجودہیں اور تمام فرقے اور مذاہب اس کومانتے ہیں اس میں مذہبی تعصب کہاں ہے؟

ہاں ایک قوت ہے جو امت کیلئے اس قطعی حکم کو مضبوطی سے اٹھائے ہوئے ہے اور اس سے یہود و نصاریٰ کے شکوک وشبہات کی طرف ہرگز منتقل نہیں ہوتے اور بعض عصری لوگ جو بات کہتے ہیں جن کو ہر چیز میں نرمی اور تساہل برتنے کی عادت ہے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر چیز میں بغیر استاذ کے علم حاصل کرنے والے اخباری لوگ ہیں، ان کو مسئلہ کے دلائل کا کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی خوفِ خدا، جو ان کو ایسے مسئلہ میں فتوی دینے سے روک سکے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

یا سبحان! یہاں وضاحتوں کی یا ان باتوں کے ذکر کی کیا ضرورت تھی جو زبان زد عام ہیں؟

اور دونوں طرف سے بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس سے ہر وہ بندہ استفادہ حاصل کرتا ہے جو حدیث کے علم میں رغبت رکھتا ہو اور نزول کی احادیث نہ پہلی قسم سے ہیں نہ دوسری سے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اور ظاہری معجزات کی بحث بنا تاکید مناسبت کے ذکر کرنا کاتب کی طرف سے اضافہ ہے جس سے وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والوں کی صف میں

جا کھڑے ہوتے ہیں، بات کو مزید طول دیے بغیر اسی پر بس ہے تاکہ وہ بولتے جائیں چاہے ان کی بات کا کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، تو اے ظالموں! معجزات کے منکرو! کچھ تو اچھا کام کرتے جاؤ، فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات جن کو قرآن کریم نے تمام انبیاء علیہم السلام کیلئے ثابت کیا ہے ان پر اتنے بخل سے کام مت لو۔

اور ابن کثیرؒ نے اپنی "تاریخ" میں بڑے اچھے طریقے سے نبی کریم ﷺ کے معجزات کو ذکر کیا ہے جو کہ ان سے پہلے انبیاء کیلئے بھی ثابت ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان سے پہلے اگر کسی نبی کو کوئی معجزہ دیا گیا تو مصطفیٰ ﷺ کو ان سب جیسا معجزہ دیا گیا اور اہل علم نے ان میں سے جو متواتر ہیں اور جن کی قدر مشترک متواتر ہے اس کی تصریح کی ہے۔

اور اگر کاتب کے ذہن میں پرنس فیتانو ایطالی کی اسلام کے متعلق تاریخ کبیر میں موجود شکوک شبہات کی وجہ سے کوئی شک پڑ گیا تھا تو اس کی دوا شیخ شبلی نعمانی اور ان کے ساتھی سید سلمان ندویؒ کی سیرت کی کتابیں ہیں اور ان دونوں نے ان میں بہترین اور سیر حاصل کلام کیا ہے۔

حسی اور ظاہری معجزات کتبِ صحاح، سنن اور سیرت کی کتابوں میں مراتب کے ساتھ ملیں گے جیسا کہ انتقام اور اس کی شروحات اور المواہب اور اس کی شرح ہیں اگر اس کا بحث کے ساتھ تعلق ہوا۔

اور جہاں تک امام مہدی اور دجال اور مسیح کی احادیث کے تواتر کی بات ہے تو حدیث کے علماء بالکل بھی کسی شک میں نہیں، اور بعض متکلمین ان میں سے بعض احادیث کے تواتر میں شک میں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قیامت کی سب نشانیاں بالکل حق ہیں اور ان کا یہ شک علم حدیث میں کم علمی کی وجہ سے ہے لیکن ان کا قصور نہیں جب تک کہ ان پر ان مسائل میں حجت قائم کرنے کے بعد وہ سرکشی نہ کریں۔

اور امام شوکانی ؒ کی کتاب (التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح) جو ہندوستان میں شائع ہوئی ان کی کتاب سے صدیق خان نے اپنی (الاذاعة لما كان وما يكون من أشراط الساعة) میں ایک مفید کلام نقل کیا ہے اور وہ کتاب بھی ہندوستان میں شائع ہوئی اور ان دونوں کے

رتبے اور اسوہ ہونے کا اعتراف کیا ہے بلکہ وہ دونوں تو (شاذ) حدیث کے ماہر ائمہ میں سے تھے۔

اور کاتب جیسے سرکش بندے کو مراتب حدیث کے بارے میں کلام زیب نہیں دیتا، اور ان کے کچھ بندے (ساتھی) ہیں اور فساد پھیلانے والے کچھ مخصوص لوگ ہیں، انہوں نے ان علماء کو جنہوں نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وارد ہونے والی احادیث جمع کر کے امت کو اس کا علم پہنچا کر فائدہ پہنچایا ان پر تحریف کر کے اور اس کے بدلے مال ملنے کی حرص رکھنے کا الزام لگایا جو کہ ایک فساد سے پاک دل رکھنے والے انسان کا کام ہر گز نہیں ہے۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ بندہ جو اجماع کو توڑنے والا اور اس مسئلہ میں جماعت سے الگ ہونے والا ان لوگوں پر حد سے تجاوز، سرکشی اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا الزام لگاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی مذہبی اور اخلاقی روک اور مانع رکھتا ہو وہ خود کو اس قسم کے موقف سے الگ ہی رکھے گا۔

ہر کاتب نے ہر جانب سے خود کو ہارتے دیکھ لیا اور زبردست دلائل نے ان پر گھیرا تنگ کر دیا ہے، انہوں نے اس مسئلہ میں وہ راستہ اختیار کا یا ہے جو اس شیطان نے

گزشتہ ابواب میں اختیار کیا، کہا کہ (نزول کے متعلق احادیث محکم نہیں ہیں جن میں تاویل کا احتمال ہی نہ ہوتا کہ ان کو قطعی الدلالت کہا جاسکے اور محکم وضاحت میں اپنی اقسام سے ممتاز ہی اسی صفت سے ہے اور اس میں منسوخ ہونے کا احتمال ہی موجود نہیں ہوتا اور یہ حدیث نسخ کا احتمال نہیں رکھتی، تو یہ اپنے ظاہر اور درجہ سے اس موضوع میں محکم کے حکم میں ہو گی اور ان کا تاویل کے اقوال کی بات کرنا اس احتمال کی بات ہے جو خیالی ہے اور جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ قطعی الدلالت دلیل کی شان میں کوئی اثر انداز نہیں ہوتی جیسا کہ ہم بارہا بتا چکے ہیں۔ امام غزالیؒ نے (المستصفی) جلد 1 ص 357 میں فرمایا (وہ احتمال جس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اس کی وجہ سے نص اور الفاظ پر کوئی اثر نہیں ہوتا) اور یہی بات (التلویح) اور (مراۃ الاصول) اور دیگر کتب میں بھی کہی گئی ہے۔

پھر کاتب نے کہا (قدیم وجدید دور کے علماء نے اس کو اخذ کیا ہے اور اس کی تاویل آنے سے کوئی حائل ومانع نہیں پایا)

لیکن علماء اہل حق میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو نصوص کی تاویل کرتا ہو جب تک اس کے ظاہری معانی اس کا تقاضہ نہ کریں، لہذا آپ اہل حق کی کتابوں میں یہ

صراحت پائیں گے کہ نصوص کو ان کے ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا اور ان معانی کو چھوڑ کر ان معانی کو اپنانا جن کو اہل باطن (شیعوں کا ایک فرقہ) بیان کرتے ہیں یہ کفر والحاد ہے اور نصوص کا انکار کرنا بھی کفر ہے)

پھر کاتب نے (شرح المقاصد) کتاب سے کچھ نامکمل مضمون کاٹ جھانٹ کر نقل کیا ہے کہ شاید اس سے قیامت کی نشانیوں کی روایات میں تاویل کرنے پر دلیل قائم کر سکیں، خاص طور پر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایات میں اور انہوں نے اسی شرح المقاصد کی بقیہ جگہوں میں شیخ سعد کی اس مسئلہ کی تحقیق کو نظرانداز کیا ،لہٰذا میں یہاں شیخ سعد صاحب کا کلام بمع اس تحقیق کے نقل کر رہا ہوں جو کاتب نے قصداً چھوڑ دی تھی تاکہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے کہ آیا شیخ سعد کا قول ان صاحب کے حق میں تھا بھی یا نہیں؟

شیخ سعد نے (شرح المقاصد) ج 2 ص 226 میں کہا (مجموعی طور پر اس باب میں بہت سی احادیث موجود ہیں جن کو بااعتماد اور باضبط لوگوں نے روایت کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین نے ان کو صحیح قرار دیا ہے، اور اہل شریعت کے نزدیک ان کو

ان کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے کیونکہ ان میں مذکور تمام امور عقلاً بھی عین ممکن ہیں۔

اور فلسفیوں نے مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد اس کے امور کا الٹا ہونا، ناپسند اور معمولی طریقے سے ہونا ہے، اور بعض علماء نے حجاز سے نکلنے والی آگ کی تاویل علم اور ہدایت سے کی ہے خصوصاً حجازی فقہ اور لوگوں کو ہانکنے والی آگی کی تاویل ترکوں کے فتنے اور خروج دجال کی تاویل انتہائی شر اور فساد کے ظہور سے کی ہے اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی تاویل ان فتنوں کے ختم ہو جانے اور خیر و بھلائی کے ظاہر ہونے سے کی ہے۔

توان کا یہ کلام اہل حق کے نزدیک ایک قاعدے کے مطابق بھی فساد سے بھرا ہوا ہے اور وہ ہے نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا جب تک ان کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا ممکن ہو، اور طلوع شمس اور باقی قیامت کی نشانیوں کی جو تاویلات بیان کی گئی ہیں وہ اہل شریعت کی نہیں ہیں کیونکہ ان کا اس زمانے کے طرز تخاطب سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تو یہ باطنیہ (شیعوں کا ایک فرقہ) کی کی گئی تاویلات ہیں اور آپ کو ان کا حکم معلوم ہے اور یہ سب تاویلات اہل علم کے یہاں تاویل کرنے کے مشہور قواعد کے بالکل برعکس ہیں اس کے لیے آپ امام غزالیؒ کی کتاب (قانون التاویل) کا مطالعہ کریں۔ گویا کہ کاتب نے توحید کی کتابوں کو ان کے علماء سے قطعاً کچھ بھی نہیں پڑھا تاکہ سماعی احادیث کے متعلق متکلمین کے کلام کا مقصد سمجھ پاتے۔ یہ امور عقلاً ممکن ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ان کے واقع ہونے پر سماع بھی دلالت کرتی ہے تو ان کو اسی پر محمول کیا جائے گا اور ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عقلاً ان کو ان کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی حائل موجود نہیں تو شرعاً بھی اس کا حمل کرنا متعین ہو گیا شرعاً ظاہر پر محمول کرنے یا نہ کرنے کے پہلو سے نا صحیح۔

اور یہ مقام وجوب یا امتناع یا امکان کی وضاحت کا نہیں ہے، اور عدم وجود کی طرف سے ضرورت کے انکار کی وجہ اس کے وجوب وجود کی جانب سے زیادہ عام ہے، اور یہ اصول دین کا علم حاصل کرنے والوں کے بنیادی معلومات میں سے ہے، لہٰذا کاتب کی سمجھ ابتدائی طلبہ کو بھی ان کی اس سمجھ پر ہنسنے کا موقع دے رہی ہے۔

کاتب کے شیخ سعد کے کلام سے یہ تخریج کرنے پر پڑھنے والے کو علم کلام میں ان کے مبلغ علم کا خوب اندازہ ہو جائے گا، شیخ سعد کے گزشتہ قول پر تخریج کرتے ہوئے کہتے ہیں (اس سے ہم نے جانا کہ شیخ سعد ان احادیث کو ان کے ظاہر پر محمول کرنے کے قائل نہیں ہیں، یوں وہ قطعی الدلالت کی اس قسم میں سے نہیں ہوں گے جس کی تاویل کرنا جائز نہیں، اور وہ صراحتاً عبارت میں تصریح کر رہے ہیں کہ ان کو ان کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی مانع موجود نہیں، اس طرح وہ ہر اس بندے کو تاویل کرنے کا حق دے رہے ہیں جس کے دل میں تاویل کرنے کا سبب آجائے)۔

اور متکلمین کی عادت ہے کہ جب معنی میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو عقیدے کے ثابت ہونے سے اس کو دلیل شرعی بنا دیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ شیخ سعد نے کتنی ہی بار سماعی روایات کے بارے میں کہا (کہ سب امور بالکل ممکن ہیں قرآن و حدیث نے ان کا ذکر کیا، اور امت کا اجماع اس پر منعقد ہوا ہے تو اس کو اختیار کرنا حق پر ہے اور اس پر ایمان رکھنا فرض ہے)اور ایسی ہی بات وہ (شرح

التسفیہ)اور نصیر طوسی کی (تجرید)اور قاضی عضد الدین کی (مولف) میں بھی بار بار دہراتے ہیں۔

اور شیخ سعد کا اپنے قول کے بعد (عند اہل الشریعۃ/یعنی اہل شریعت کے ہاں) کہہ کر حق کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان کی نظر میں اصل میں اہل شریعت میں سے نہیں ہیں ،کیونکہ یہی شیخ سعد (شرح المقاصد) کے آخر میں کہتے ہیں کہ (بڑے اور عظیم علماء کی یہ رائے ہے کہ چار انبیاء زندوں کے حکم میں ہیں ،(1) حضرت خضر علیہ السلام(2) حضرت الیاس علیہ السلام زمین میں اور (3) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور(4) حضرت ادریس علیہ السلام آسمان میں)

جیسا کہ وہ جلد 2ص 198 میں کہتے ہیں (کسی بھی گناہ کو حلال سمجھتے ہوئے اس کو حلال قرار دینا کفر ہے ،اگرچہ کہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا،اور اسی طرح اس کو چھوٹا اور حقیر سمجھ کر لاپرواہی سے باقی مباح کاموں کی طرح کرنا بھی ،اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو قطعی دلیل سے ثابت ہوں ،اور بدعتی (یعنی جو عقائد میں سنت اور جماعت کے عقیدے کے خلاف چلے) پر فاسق کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ

عقائد میں خلل ڈالنا اعمال میں خلل ڈالنے سے کم نہیں ہے)یعنی وہ عقائد اور اعمال جن سے تکفیر لازم نہیں آتی۔

پھر کہتے ہیں کہ (اور بدعتی کا حکم یہ ہے کہ اس سے بغض اور عداوت اور اس سے اعراض اور اس کی اہانت اور اس کو لعن طعن کرنا جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے)

پھر کہتے ہیں: (اور اہلسنت کا مختار مذہب یہ ہے کہ دنیا حادث ہے یعنی مخلوق اور اس کا صانع قدیم ہے جس کی صفات بھی قدیم ہیں ،اس کا کوئی مشابہ نہیں اور نہ ہی مخالف اور نہ ہی کوئی مقابل اور نہ ہی اس کی کوئی انتہا ہے نہ شکل وصورت اور نہ ہی کوئی حد، وہ کسی بھی چیز سے غافل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی حادثہ مصیبت پیش آسکتا ہے اور نہ ہی اس کی بابت حرکت یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا درست ہے ،اور نہ ہی وہ کسی جہت اور جگہ میں ہے اور قیامت کی نشانیاں برحق ہے جیسے خروج دجال، یاجوج ماجوج، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا)اور پھر آخر تک اہلسنت والجماعت کا عقیدہ وہاں تفصیلاً مذکور ہے۔

شیخ سعد کی مذکورہ کتاب سے مختلف جگہوں میں ان کی تحریرات جاننے کے بعد آپ کو حتمی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کا احادیث کے ثبوت کی تصریح کے بعد یہ کہنا کہ :(اوران کوان کے ظاہر پر محمول کرنے سے مانع موجود نہیں)اس کا یہی مطلب ہے کہ یہ سب امور عقلاً ممکن ہیں اور سماع نے بھی ان کے ثبوت پر دلالت کی ہے توان کی تصدیق کرناواجب اور فرض ہو گی۔

اور کاتب نے اپنی گزشتہ باتوں میں انتہائی تحریف کرتے ہوئے ایمان کے نفی اور اثبات دونوں پہلوؤں سے دنیا کے سب سے بہترین لوگوں کو بھی نہیں چھوڑا اور عقائد میں باب میں ایسا کرنا بذات خود جہالت کا ثبوت ہے ،اگرچہ ان کا سابقہ ریکارڈ بھی ان کے ساتھیوں کی تقریرات میں موجود ہے ،اور انہوں نے اپنا کلام اس جملہ پر ختم کیا کہ (نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جتنی بھی احادیث انہوں نے ذکر کی ہیں ان میں کوئی بھی قطعی نہیں ہے نہ ہی سند کے اعتبار سے اور نہ ہی دلالت کے اعتبار سے)

اس طرح وہ سوچتے ہیں کہ وہ اپنے قلم کے ذریعہ احادیث کی صحاح اور سنن اور مسانید وغیرہ کی کتابوں کو ناحق قرار دینے میں کامیاب ہو گئے ،جیسا کہ وہ یہ بھی

سمجھتے ہیں کہ وہ کتب کلام اور کتب توحید اور ان میں موجود تحمید اول سے لے کر آج تک موجود مسئلہ کو کالعدم قرار دینے میں بھی کامیاب ہوگئے حالانکہ کتبِ حدیث تو ابھی بھی بالکل صحیح موجود ہیں اور اسی طرح جب تک اسلام کے نام لیوا زندہ رہیں گے کتب توحید بھی موجود رہیں گی دراصل ہلاک ہونے والا وہ ہے جو امت کی مخالفت مول لے کر خود کو ہلاک کر لے حتیٰ کہ بعد والوں کیلئے مثال بن جائے۔

اور شاید یہ جو تفصیل اس فصل میں ہم نے ذکر کی ان کے فتویٰ کے توڑ کیلئے کافی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہدایت دینے والی واحد ذات ہے۔

اجماع سے عقیدہ کا ثبوت

اس عنوان پر بھی کاتب نے نمبر 519 میں مضمون لکھا تھا جس میں ائمہ دین کے نزدیک شریعت کی حجتوں میں سے تیسری حجت (اجماع) کے بارے میں بات کی ہے اور ہر ممکن طریقے سے اس میں لوگوں کو شک میں مبتلا کرنے کی کوشش کی

ہے اور اسی پر انہوں نے عوام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی حجتوں (قرآن، حدیث اور اجماع) کی دلالت کو ہلکا کر کے اپنا فتوی ختم کیا ہے جو ان کی سنتے ہیں۔

اس سب ہیرا پھیری اور اہل حق کے نزدیک اجماعی دلائل کے شرعی قواعد کے بارے میں غلط بول کر ان کو پیچیدہ بنانے کے پیچھے کیا مقصد کار فرما تھا؟ وہ اس سب کے بغیر بھی یہ کہہ سکتے تھے کہ قرآن کریم کی فلاں نص وفات عیسیٰ علیہ السلام پر اور اخیر زمانے میں ان کے نزول کی نفی پر دلالت کرتی ہے یا فلاں حدیث اس کی دلیل ہے جس کو فلاں، فلاں نے روایت کیا ہے (اور اس طرح جماعت کی عقیدے کی مخالفت کرتے یا یہ کہتے کہ ائمہ دین میں سے فلاں سے یہ روایت منقول ہے جس کی یہ یہ سند ہے اور یہ ان کی وفات کو ثابت اور نزول کی نفی کرتی ہے اگر پہلی کتابوں میں کوئی ایسی روایات موجود ہوں تو۔

لیکن اگر کاتب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور ان کے نزول کے انکار پر کسی روایت کو ڈھونڈنے کیلئے کوشش اور تگ ودو کرتے اور بقدر استطاعت تفتیش کے گھوڑے دوڑاتے تو وہ کسی بھی اہل کتاب کی روایات سے دھوکا نہ کھاتے یہ تو دور کی بات کہ ان کو قرآن وحدیث میں اس کی کوئی ادنی سی دلیل بھی جماعت کے

عقیدے پر (جو قرآن کریم کی واضح نصوص اور احادیث متواترہ اور علماء اسلام کے اجماع جیسے مضبوط دلائل سے ثابت ہے) کے مقابلے میں ملتی۔

اور ہم کتنی ہی بار کہہ چکے ہیں کہ ابن ابی طلحہ کی ابن عباسؓ سے روایت اپنے انقطاع اور اس کی سند میں موجود راویوں کے متعلق ناپسندیدہ کلام کی وجہ سے غیر مقبول ہے بلکہ خود ابن عباسؓ سے اس کے خلاف عمل کرنا منقول ہے ،اس لیے اس روایت کو تقدیم وتاخیر پر محمول کرنا ناگزیر ہے تاکہ اس روایت میں اور ان سے منقول ان کے عمل میں تعارض نہ آجائے اور یہ تب جب ہم اس کو تھوڑی بہت حیثیت دیں جیسا کہ قتادہ اور فراءؒ کی رائے ہے۔

اور وہب بن منبہ کا ان کی موت کا قول اختیار کرنے کے بارے میں اول تو یہ کہ انہوں نے کسی صحابی تک اس کی سند بیان نہیں کی بلکہ اس کو اہل کتاب سے نقل کیا ہے اور ابن اسحاقؒ کی روایت اس کی دلیل ہے کہ ان کی موت کا قول نصاریٰ کا قول ہے اور یہ جبائی ان اہل کتاب کی روایت سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور ابن حزم نے بھی وفات اور توفی میں فرق کرنے میں ان کی غلطی بیان کی اور انہوں نے ان کے آخر زمانے میں نزول کے اعتقاد پر تصریح کی ہے انہوں نے اپنی کتاب (المحلیٰ)

ج 1 ص 9 میں کہا (عیسی بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے) اور حدیثِ نزول کو بمع سند کے نقل کیا اور اسی طرح ج 7 ص 391 میں کہا کہ اس طرح اس کا اختلاف ہلکا ہو جائے گا اگرچہ اس کا مقصد پہلے ہی ضعیف تھا۔

اور بڑا اور خطرناک اختلاف ان کے نزول کے معاملہ میں ہے اور ہم ان کے رفع اور نزول پر قرآن کریم کے نصوص کی دلالت کے تمام پہلو بیان کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حفاظت حدیث کی نزول کی متواتر احادیث کے نصوص اور نزول کے عقیدے پر اجماع کو بھی نقل کیا۔

اور یہ سب حافظ عبدالحق بن عطیۃ الاندلسی اور حافظ ابو حیان نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے اور (بحر محیط) ج 2 ص 473 میں ہے کہ (ابن عطیۃ نے کہا ہے کہ متواتر حدیث کے معانی پر امت کا اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور اخیر زمانہ میں نازل ہوں گے) اور (النھر الماد من البحر) ج 2 ص 473 کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ (امت کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور زمین میں نازل ہوں گے اور پھر آپ علیہ السلام سے منقول صحیح حدیث کو آخر تک بیان کیا) اور (النھر) کی ہی ج 3 ص 391 میں لکھا ہے کہ (بل رفعہ اللہ

الیہ) یہ آیت ان لوگوں کا ان کے قتل کرنے اور سولی چڑھانے کے دعوے کو باطل کرتی ہے اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) دوسرے آسمان پر زندہ موجود ہیں جیسا کہ یہ حدیث معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان کو زمین میں بھیجنے تک وہ وہی مقیم رہیں گے)۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے پیدا کیا اگر وہ اللہ کے حکم سے مقررہ ایام میں زمین میں بھی نازل کرنے سے پہلے آسمان میں فرشتوں جیسی زندگی بنا غذا کی حاجت کے گزاریں تو یہ ہر اس مومن کیلئے ناممکن نہیں ہے جس کے دل میں شر اور فساد نہ ہو۔

اور مام دوسی نے کتاب (تجرید اسماء الصحابۃ) میں عیسیٰ علیہ السلام کو صحابہ میں شمار کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات میں بحالت حیات دیکھا تھا اور یہی بات ابن حجر نے (الاصابۃ) میں ذکر کی ہے اور حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا کہ معراج بذریعہ خواب ہوئی تھی اس بات کی صحت کو مجروح نہیں کرتا کیونکہ محمد بن اسحاق نے یہ بات ابو بکرؓ کے خاندان کے بعض افراد سے بغیر سند کے نقل کی ہے

سو کسی مجہول بندے سے بنا سند کے روایت کرنے سے عائشہؓ سے کوئی روایت ثابت ہوئی ہے نہ ان کے سوا کسی اور سے۔

اور جو اس روایت کو بنیاد بنا کر یہ کہتا ہے کہ معراج بذریعہ خواب ہوئی تھی وہ بنا دلیل اور بے بنیاد بات کرے گا اور ابتدائی دور سے لے کر آج تک کتبِ عقائد کا رفع ونزول پر متفق ہونا کسی کیلئے بھی اس معاملہ میں اجماع میں شک ڈالنے کی گنجائش نہیں چھوڑتی سوائے اس کے جو اجماع اور اجماع کرنے والوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اور اجماع کا درجہ وہ نہیں جو کاتب کو دکھتا ہے بلکہ ابن حزم (مراتب الاجماع) میں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ (اجماع ملت حنفیہ کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے جس کی طرف رجوع کیا جاتاے اور اس پر اعتماد کر کے اس کا سہارا لیا جاتا ہے اور اس کے مخالف کو کافر قرار دیا جاتا ہے) حالانکہ وہ اس کے بارے میں سب سے منتخب کلام کہنے والوں میں ملے ہیں اور کسی چیز کے جزء میں اختلاف کی وجہ سے اس کا وجود ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اہل بصیرت اس کو لینے اور رد کرنے سے پہلے اس کی خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں اس کے بعد حق واضح ہو جاتا ہے اس کے لیے جو دل

رکھتا ہو یا کان لگائے متوجہ ہو اور حق وہی ہے جو میں (الاشفاق علی احکام الطلاق) میں لکھا ہے آج کل کے کچھ لوگوں کے رد میں نہیں تھی کہ (اصولی لوگ جس اجماع کا دعوی کرتے ہیں وہ محض ایک خیال ہے، ورنہ علماء کی رائے اس پر بن جاتی ہے کہ فی نفسہٖ اجماع کے قریب قریب پہنچنے والے قول مقبول کو قبول کیا جائے لیکن اس کو کیسے دلیل بنایا جائے اور کیسے؟

اور میں یہاں ان میں سے بعض کو نقل کروں گا کہ شاید شک پیدا کرنے والے اس مشکوک آدمی کے پلے کچھ پڑ جائے۔

اس کتاب میں میں نے لکھا کہ (یہ کسی ایسے بندے کا کلام ہے جسے یہ سمجھ ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اگر یہ کسی چیز پر دلالت کرتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اس کے قائل نے اصول فقہ کے متعلق کچھ نہیں پڑھا، یہاں تک کہ (مراۃ الاصول) یا (التحریر) جیسی نمایاں علمی کتابوں میں سے ایک بھی نہیں پڑھی اور کتاب البزدوی اور اس کی شروحات کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کو زمخشری کی (بحر) اور اتقانی کی (شامل) کے بارے میں کوئی خبر ہے، علامہ دوسی کی (تقویم) اور (میزان السمرقندی) اور ابو بکر رازی کی (فصول) تو دور کی بات ہے۔

اور اسی طرح نہ تو ان کو الباجیؒ کی (فصول) کا کوئی علم ہے اور نہ ہی ابو بکر بن العربی کی (محصول) کا، نہ ابن الجوینی کی (برہان) اور نہ سمعانی کی (قواطع) کا، نہ ابو الخطاب کی (تمھید) اور نہ موفق کی (روضۃ) کا نہ ہی طوفی کی مختصر الروضۃ اور نہ قاضی عبد الجبار کی (عمدۃ) کا نہ ہی ابو الحسین بصریؒ کی (معتمد) کا اور نہ ہی امام رازیؒ کی (محصول) کا بلکہ قراضی کے اس کے خلاصہ تک کا علم نہیں، بلکہ اس نازک اور عظیم علم کے بارے میں انہوں نے شوکانی یا قنوجی کے کتابچے کی ورق گردانی پر اکتفا کیا ہے جو کہ دورِ اخیر میں مسائل میں انہی دیوانہ وار غلطیوں کے امام تھے۔

کیا اس من گھڑت گھڑنے والے کو یہ معلوم نہ تھا کہ اجماع کے حجت ہونے پر تمام امت کے قصباء نے اجماع کیا ہے اور اس کو دلائل کے تیسرے نمبر پر رکھا ہے حتیٰ کہ ظاہر یہ فرقہ جو کہ فقہ سے نابلد ہیں وہ بھی صحابہ کے اجماع کی حجیت کے قائل ہیں اسی لیے ابن حزم تین طلاقوں کے اکٹھے واقع ہونے کا انکار نہ کر سکے بلکہ انہوں نے اس مسئلہ میں جمہور کی اتباع کی۔

بلکہ بہت سارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اجماع کا مخالف کافر ہے، حتیٰ کہ مفتی کیلئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے قول پر فتویٰ نہیں دے گا جو پچھلے علماء کی

جماعت کے قول کے مخالف ہو،اسی لیے اہل علم نے (مصنف بن ابی شیبہ)اور ابن المنذر کی کتاب (اجماع) اور اس جیسی دیگر کتابوں کا خاص اہتمام کیا ہے جن میں واضح طور پر وہ مقامات بتائے گئے جن میں صحابہؓ اور تابعین اور تبع تابعینؒ کا اتفاق یا اختلاف ہوا ہے۔

اور دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ امت غلطی سے محفوظ ہے اور یہ کہ وہ انتہائی منصف ہیں کہ وہ لوگوں پر گواہ ہوں گے اور وہ سب سے بہترین امت ہے جو لوگوں کے فائدے کیلیئے پیدا کی گئی ہے، یہ لوگ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور جو ان کی اتباع کرے گا وہ اللہ سے رجوع کرنے والوں کی اتباع کرلے گا اور جو ان کی مخالفت کرلے گا وہ مسلمانوں کا راستہ ترک کرنے والا ہو گا اور علمائے دین کی دشمنی کرے گا۔

اور میں نہیں جانتا کہ افکار میں یہ آفت کہاں سے آئی اور یہ کیسے اس زمانے کے بات بڑھانے والوں کے اذہان میں یہ مہلک زہر داخل ہوا؟ کہ اہل علم جب اجماع کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اس سے ان لوگوں کا اجتہاد مراد لیتے ہیں جو اجتہاد کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں اس کا اعتراف وہ خود کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کو کچھ

خوف بھی ہے جوان کو حرمات اللہ میں ہاتھ ڈالنے سے بچاتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کا نام بھی ماننے والوں میں باقی رہے۔

بدعتی خوارج جیسے ہیں وہ تمام طبقات میں بااعتماد روایات کو اہمیت نہیں دیتے یہ تصور کیسے کر لیا جائے کہ ان کو احادیث کا ایسا علم ہو گا جوان کو اجتہاد کے درجہ کا اہل بنا دے۔

پھر وہ مجتہد جس میں اجتہاد کی تمام شرائط موجود ہوں علماء کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس پر کم سے کم ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی دلیل بتائے اور صراحتاً جمہور کو وہ قول بیان کرکے اور لکھ کر بتائے اگر اس کی رائے کے مطابق اس کو لگے کہ جمہور کسی بھی مسئلہ میں غلطی پر ہیں تو اسے کھل کر اپنا موقف بیان کرنا چاہیئے ،نہ کہ اپنے گھر میں جا کر بیٹھ جائے یا مسلمانوں کے شہروں سے دور کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی میں الگ ہو جائے اور حق کو بیان کرنے سے خاموش ہو جائے اور حق گوئی سے سکوت اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے اور حق کو ظاہر کرنے کے معاملے میں اللہ کے عہد کو توڑنے والا ہے اور جو عہد توڑے گا اس کا نقصان خود اسی کو ہو گا

لہذااس کی وجہ سے وہ ان فاسقوں میں شامل ہوگا جن کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اجتہاد کا مرتبہ تو بڑے دور کی بات ہے۔

اس امت کی جاری عادت کے مطابق جیسے مسلمانوں کے علماء تمام طبقات میں ان میں سے بڑے علماء کے احوال کو لکھنے کیلئے سر گرم ہیں اور علوم کو سیکھنے اور لکھنے میں ان کی سبقت ،اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد "موجودہ لوگ غیر موجودہ لوگوں کو پہنچادیں" پر عمل کرتے ہوئے جمہور کا دینی اور دنیاوی امور کے علم کو پھیلانے اور حق کو ظاہر کرنے کا وعدہ پورا کرنے کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا محال ہے کہ ہر زمانے میں موجود مجتہدین کو علماء نہ جانتے ہوں اور مجتہدین جو حقیقتاً اُس درجے کے مستحق ہیں اور اپنا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ (اثناالسفرالی بشاور 2022-05-23)

لہذا اگر کسی بھی صدی میں جمہور فقہاء ایک رائے پر جمع ہوں اور وہی رائے ان کے متعلق مشہور ہو جائے اور فقہاء میں سے کسی سے بھی بحثیت فقیہ سے اس رائے کی مخالفت معلوم نہ ہو تو عقل مند کو اس رائے پر اجماع کے منعقد ہونے میں کوئی

شک نہیں رہتا اور اللہ کا اصول بھی یہی اصول ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ اس میں کسی بھی قیل و قال کی گنجائش نہیں بنتی۔

یہ کہا جائے کہ اجماع ایسا کلام ہے کہ اس کی حجیت اور امکان اور وقوع اور اس سے باعلم ہونے کا امکان اور اس کو نقل کرنے کے امکان میں کلام ہوا ہے) جیسا کہ مخفی نہیں اور اجماع کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہر مسئلہ میں کئی کئی اجزاء پر مشتمل کتابیں لکھی جائیں جن میں لاکھوں صحابہ کرامؓ کے نام موجود ہوں جن کے ہوتے ہوئے آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی ہو اور وہ ان سے راضی بھی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کی روایت ان کتابوں میں ذکر کی جائے بلکہ اجماع میں روایت کے ٹھیک ہونے کا حکم لگانے کیلئے مجتہدین صحابہ کی بیس افراد کی جماعت کی تحقیق کافی ہوتی ہے جن میں سے کسی ایک سے بھی اس حکم کی مخالفت منقول نہ ہو، بلکہ اگر بعض جگہوں میں ان میں سے ایک یا دو اس حکم کی مخالفت کریں بھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جن کی تفصیل ائمہ نے اس سے متعلق ذکر کی ہے اور یہی اصول تابعین اور تبع تابعین میں بھی چلے گا۔

اور اس بحث کو سب سے بہترین طریقے سے امام کبیر (ابو بکر رازی الجصاص) نے اپنی کتاب (الفصول فی الاصول) میں واضح کیا ہے اور اس میں شک ڈالنے والے کیلئے شک کی کوئی راہ نہیں چھوڑی ، اور صرف اجماع کی بحث انہوں نے بڑے واقعات میں 20 صفحوں پر لکھی ہے اور یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ علم کا قاصد علم کے حصول کیلئے اس سے بے پراوہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح علامہ بزدوی ؒ کی کتاب (الاصول) کی شرح (الشامل) جو علامہ اتقانی کی ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے پرانے نصوص کو حرف بحرف ذکر کے اور پھر ان میں سے جس میں بحث کی گنجائش تھی اس پر باعلم اور سہر حاصل بحث کی ہے۔

اور اجماع کی ایک قسم ہے کہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی ان کے ساتھ عموم مقصد کی وجہ سے متفق ہو جائیں جیسا کہ فجر کی دو رکعتوں اور ظہر کی چار اور مغرب کی تین رکعتوں پر ، اور ایک اجماع یہ ہے کہ صرف خواص سے ثابت ہو جیسے ائمہ مجتہدین سے جیسا کہ بیلوں اور کھیتوں میں ثابت ہونے والی عشر پر ، اور پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر تو اس اجماع کا درجہ اس سے کم نہیں ہے

کیونکہ مجتہدین کے ساتھ عوام کے جڑ جانے سے ان کے اجماع کی قوت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

لہذا جس نے یہ دعوی کیا کہ اجماع کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قطعی ہے جس میں قرآن وحدیث متواتر سے اجماع کیا گیا ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ میں اس سے کم ہے جو کہ ظنی اعتبار سے مشکوک ہو سکتا ہے تو اس نے اجماع کی حجیت کا انکار کیا ہے اور غیر مؤمنین کی اتباع کی ہے اور اس بات کو مفصل کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جن سب کو بیان اس جگہ ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

اور اجماع کی بعض اقسام کو ظنی کہنے سے کیا ہو جائے گا؟ جبکہ اس میں سے جو یقینی ہے اس کا انکار کفر ہے،اور جو مشہور احادیث کے درجہ کا ہے ان کا انکار گمراہی ہے اور بدعت ہے اور اس سے بھی کم درجہ کے اجماع کا انکار احادیث احاد کے انکار جیسا ہے۔

جبکہ محمد بن ابراہیم اور وزیر یمانی کا اجماع کے بارے میں جو قول ہے وہ فقہاء کے فقہ کے بالکل مخالف ہے اور ان کی کتابوں میں ان کا قول مقبلی اور محمد بن اسماعل امیر اور شوکانی جیسے ان کے تخریب کار چیلوں کے اقوال کی بنسبت نرم ہے لیکن

اس نرمی کے باوجود وہ اپنے اندر زہر قاتل لیے ہوئے ہے اور یہی وہ شخص ہے جس نے یمن میں سب سے پہلے حدیث نبوی میں خلل اور تشویش ڈالی اور اجماع کے بارے میں ان صاحب کا کلام اجماع کی حجیت کو ہی ختم کرتا ہے اگرچہ وہ (جزء الطلاق الثالث) میں شوکانی کی طرح تصریح نہ بھی کرتے (الاشفاق) سے منقول کلام ختم ہوا۔

اور شوکانی کا کلام ان کی کتاب میں یہ ہے (حقیقت یہی ہے کہ اجماع حجت نہیں ہے نہ ہی اپنے وقوع کے اعتبار سے، نہ امکان کے اعتبار سے بلکہ اس کے امکان علم اور امکان روایت کے اعتبار سے بھی حجت نہیں ہے) اور یہ سب انہوں نے رائج نظام کے مطابق کیا جو کہ ''ان جیسے'' بندے سے احکام پر اس جراءت کو حد سے زیادہ نہیں سمجھے گا کیونکہ یہی صاحب قران وحدیث کے خلاف نکاح کی تعداد کے محدّد ہونے کا بھی اعتراف نہیں کرتے جیسا کہ ان کی کتاب (ویل انعام) میں ہے اور آپ کو اس کی اس بات پر جوابی رد (تذکرہ الراشد) میں ملے گا م، یہ سب (نیل الاوطار) میں مذکور کلام کے مخالف ہے، یہ اس لیے کہ ان صاحب نے مرحلہ وار اپنی بدعت کی طرف دعوت دی ہے۔

اور ہم نے ابن حزم کی کتاب (مراتب الاجماع) سے غالبا (م) کے اشارے سے کئی جگہوں میں تبصرے ذکر کیے ہیں جو کہ حق کو حق ثابت کرتا ہے جب انہوں نے صراط مستقیم سے انحراف کی کوشش کی ہے اور اسی طرح ہم نے بتوفیق اللہ ابن حزم کی (النبذ) پر تبصرہ کرتے ہوئے بھی ذکر کیا ہے۔

اور قابل تقلید ائمہ کے درمیان اجماع کے بارے میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے اور جس نے بھی اجماع کے بارے میں کلام کیا ہے ان میں سے ہر ایک ایسا نہیں ہے جس کے کلام کا کوئی وزن ہو، اور جو بھی اجماع کو ہر پہلو سے پڑھے گا اس کے سامنے حق بالکل واضح ہے، لیکن آخری ادوار کے فقہاء نے ضعف قوت کی وجہ سے ان کو اصحاب ھوی کی مناعی سے ان کو شاذ رائے اپنایا جن کو یہاں ذکر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کی بے اصولی اور فقہی مناہج میں ان کی کم علمی ہے اگرچہ اس کے ذمہ داران کو اس بات کا اعتراف کرنے میں مشکل پیش آتی ہے لیکن معاملہ ایسا ہی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اتباع کے بارے میں سب سے تنگ نظر مذہب ظاہریہ کا ہے جو اجماع میں صرف صحابہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور نزول عیسیٰ علیہ السلام پر تیس صحابہ کا اجماع

ہے اور اس پر ان کی موقوف روایت بھی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب (التصریح) میں موجود ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی ایک صحابی سے بھی اس کے مخالف قول ثابت نہیں۔

اور امام طبرانیؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس کی سند میں صحابہ ہیں تو اگر ان جیسے راوی سے اجماع ثابت نہیں تو اس دنیا میں ہی اجماع موجود نہیں ہے ،اور ابو حامد السفرائینی جو کہ امام شافعیؒ کے مسلک میں عراقی طریقت کے شیخ ہیں وہ (جب مجتہدین کسی قول پر متفق ہو جائیں اور اس زمانہ کے باقی مجتہدین تک ان کا یہ قول پہنچے اور وہ سب اس پر خاموش ہو جائیں نہ اعتراف کریں اور نہ انکار) اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اجماع ہے اور قطعی حجت ہے تو صاحب فتویٰ کا (الرسالہ) رسالے میں امام شافعیؒ کے بارے میں قول نقل کرنا بناد لیل کے ہے اور انہوں نے ان کی طرف ایسا قول منسوب کیا جو انہوں نے کہا ہی نہیں اور امام احمد کا اجماع کے بارے میں جو قول انہوں نے ذکر کیا ہے اس کو بھی (السیف الصقیل) ص 10 میں رد کیا گیا ہے۔

پھر علمی مسائل میں اجماع سے استدلال کرنے اور نہ کرنے کے اختلاف سے بحث کے موضوع میں اجماع کی حجت قطعاً کمزور نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان مشکل مسائل میں ہے جن کے بارے میں عقول مضطرب ہیں۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ نزول عیسی علیہ السلام کی احادیث متواتر ہیں اور ان کے تواتر کے ثبوت کیلئے خاص اہل بیان سے اس تواتر کے بارے میں صراحت موجود ہے صاحب فتویٰ کے تواتر کے اعتراف کی حاجت نہیں ہے اور وہ یقینی اجماع جو تواتر سے ثابت ہوا اس کا انکار صرف اور صرف حق کا منکر ہی کر سکتا ہے۔

پھر نزول عیسیٰ کا عقیدہ رکھنا دل کا عمل ہے یہاں اجماع پر عمل کرنا باب العمل میں اجماع پر عمل کرنے جیسا ہے ایسے موقعوں پر اجماع کو قبول کرنا علماء کے درمیان ایک اتفاقی مسئلہ ہے۔

اور صاحب فتوی نے ابن الہمام کی کتاب (التحریر) کے بارے میں علامات قیامت اور آخرت سے متعلق امور کے بارے میں جو نقل کیا ہے کہ ان کا ثبوت احادیث سے لازم ہے نہ کہ اجماع سے یہ بات بعینہ صدر الشریعۃ نے (التوضیح) میں کہی ہے لیکن (التلویح) میں شیخ سعد محقق نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ نقلی دلیل یعنی

روایات کبھی ظنی ہوتی ہیں پھر اجماع کے ذریعہ قطعی ہو جاتی ہیں اور یہ بڑا مضبوط کلام ہے۔

اور ابن الہام ہی کتاب (المسا ھرہ فی العقائد المجیۃ فی الآخرۃ) میں کفر میں داخل کر دینے والے امور کی گنتی میں یہ بھی ذکر کیا کہ جس امر پر اجماع منعقد ہو جائے اس کی مخالفت کرنا اور اس کا علم ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنا اس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

اختلاف تو اس میں ہے کہ اجماع کو یہاں ایک مستقل و پختہ دلیل مانا جائے گا یا نہیں ،اختلاف اس میں نہیں ہے کہ جب یہ ثابت ہو جائے تو اس کو مانا جائے گا یا نہیں اور بہت سے امور کا کسی ایک چیز میں وارد ہونا اس کو مزید مضبوط اور قوی کرتا ہے۔

اور انہوں نے (المساھرۃ) میں یہ بھی کہا کہ (علامات قیامت جیسے خروج دجال ،نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج یاجوج وماجوج اور خروج دابہ اور مغرب سے طلوع الشمس سب حق ہیں) پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے ؟اور ابن رشد الحفیہ الحضد کا قول نظری علمیات اور عملیات کا اجماع کے باب میں وہ ایک الگ بحث ہے جس کو بیان کرنے کی جگہ یہ نہیں ہے۔

اور کاتب (صاحب فتوی) کا یہ قول (اور اگر فرض کر لیا جائے کہ علامات قیامت اس اجماع پر پوری اترتی ہیں جس پر یہ لوگ متفق ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو شروع سے اب تک اختلاف رہا ہے، پرانے زمانے کی بات کریں تو ابن حزم نے (مراتب الاجماع) میں کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اختلاف ہوا ہے کہ کیا وہ قیامت سے پہلے آئیں گے یا نہیں اور قاضی عیاض نے بھی شرح مسلم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور شیخ سعد نے (شرح المقاصد) میں اور ان کی عبارت سابقہ بحث میں ذکر کر دی ہے جو کہ واضح ہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اپنے وارد ہونے اور دلالت کے اعتبار سے اور جدید دور میں بھی اس کی توضیح کی ہے۔

توان کی بات ڈھال بنانے کا ایک غلط طریقہ ہے کیونکہ امام ابن حزم نے کسی بھی اہل حق سے سند صحیح نزول عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کرنے کو نقل نہیں کیا تو اس کی بات کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا، بلکہ یہ توان کا ان کی موت اور رفع کے بارے میں جو روایت کیا جاتا ہے ان سب کا نتیجہ اخذ کرنا ہے اور ہم سابق میں اس قصے کا سیاہ و سفید بیان کر چکے ہیں بلکہ ابن حزم نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول لازمی

ہوگا کیونکہ اس میں حدیث کا تواتر ہے پھر کہا: ابن حزم نے ان کے نزول کے بار ے میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے)جیسا کہ اُبی کی مسلم پر شرح میں بھی ذکر کیا ہے۔

اور شرح مسلم میں قاضی عیاضؒ کے الفاظ یہ ہیں (نزول عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا قتل کرنا اہلسنت کے نزدیک حق ہے اور صحیح ہے اور عقل اور شریعت میں ایسا کچھ نہیں پایا جاتا جو اس کو باطل کردے تو اس کا ثبوت واجب ہوا اور بعض معتزلہ اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے)اور بعض سے مراد حیاتی ہیں اور ان کو بھی اگر احادیث کے تواتر کا علم ہو جاتا تو وہ مخالفت نہ کرتے ، لیکن بدعتیوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسا کہ گزر چکا ہے اور معتزلہ کے بھی جمہور اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں جیسا کہ ان کے خطیب زمخشری سے (الکشاف) میں ثابت ہے۔

اور شیخ سعد نے اہل شریعت کا قول اور فلسفیوں کا دعویٰ ذکر کرنے کے بعد جو ذکر کیا ہے تو وہ کوئی قابل اعتبار اختلاف نہیں بلکہ اس میں تاویل میں باطنیہ فرقے کا طریقہ اپنایا گیا ہے اسی لیے ان کا نام ذکر کرنے سے تجاہل پڑتا ہے اور ان کے تاویل کرنے کے طریقے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بدعتیوں میں سے ہیں جن کی

طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور بنا کسی عقلی اور شرعی دلیل کے اس وقت کے زبان کے رائج اصول کے خلاف تاویل کرنا دراصل باطنی اور ان کے پیروکاروں کا طریقہ ہے یہ تو ہوئی پرانی بات۔

اور جدید دور کی بات کریں تو ڈاکٹر محمد توفیق صدیقی (منار کتاب کی جلد 11 ص 367) میں جوان کا ہمنوا ہے جن کا تعلق صحافت سے ہے تو عقلی طور پر یہ سب ایسے لوگ ہیں جن کے پاس علوم ضروریہ کا کوئی علم نہیں جن کا ہونا ان لوگوں کیلئے بے حد ضروری ہے جو اس موضوع میں کلام کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے اس موضوع میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم نے ان کا ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا کیونکہ علم اور تقویٰ میں ان کے معیار و منزلت عوام سے ڈھکی چھپی نہیں۔

اور ڈاکٹر صاحب کے تعارف کیلئے ان کے وہ صریح بیانات کافی ہیں جن میں وہ سنت یعنی حدیث سے دلیل لینے کی مطلق نفی کرتے ہیں اور بطور دلیل صرف قرآن کو لیتے ہیں اور ان کے قول کا خلاصہ (اخیار جلد 11 ص 370) یہ ہے "اور خوب جان لو کہ ایک مسلمان پر یہ ایمان رکھنا واجب نہیں کہ وہ روز قیامت

(اسطرح) آئے گا اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ نصرانیوں سے مسلمانوں میں منتقل ہوا ہے اور قرآن سے منقول نہیں ہے اور احادیث سے تو عقائد ماخوذ ہی نہیں کیے جاتے سوائے متواتر کے اور اس مسئلہ میں کوئی متواتر حدیث نہیں ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب فتویٰ کیلئے قابل اتباع نہیں جیسا کہ وہ ان جدید لوگوں کیلئے بھی قابل اتباع نہیں جو اس مسئلہ میں جماعت کی مخالفت کرتے ہیں اور اس باب میں صاحب فتوی کے ایک اور پیشوا بھی ہیں اور وہ ابن ہود مشقی ہیں جن کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ ہود ہی مسیح بن مریم ہیں اور کہتے تھے کہ ان کی ماں کا نام مریم تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ کا قول (تم میں ابن مریم نازل ہوں گے) سے یہی مراد ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت ان پر نازل ہو گی۔

اور ابن تیمیہؒ نے ان کو ان کے فاسد دعوؤں کا باطل ہونا نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وارد دلائل سے واضح کیا اور یہ کہ وہ احادیث ان پر پوری نہیں اترتیں اور ان میں بعض ایسے تھے جو مغرب سے طلوع شمس کی تفسیر اپنے کلام کے غالب ہونے سے کرتے تھے اور نفس کے بدن پر غالب ہونے سے کرتے تھے اور آسمان سے

نزول عیسیٰ کی تفسیر ان کی روحانیت کے نزول سے اور اس کے اجزاء کا اس شخص کے اندر پائے جانے سے کرتے تھے۔

تو جب تحریف اور باتیں گھڑنا اس حد تک پہنچ جائے تو ہم اپنی سلامت دین اور سلامت عقل پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور سکوت اختیار کرتے ہیں اور اللہ سے اس صورتحال سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب فتویٰ نے ان کا جو قول نقل کیا ہے وہ (منار) کے کاتب کا ہے تو ان کا اس قول کو ذکر کرتے ہوئے ان کا پیشوا کون ہے؟ کہ اس مسئلہ میں کوئی صریح نص نہیں ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوں گے یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے اور انہوں نے ظہور اسلام سے لے کر ہر زمانے میں اس کو مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے مصنفِ منار کی اس بے بنیاد رائے اور اس انتہائی جرات کو سلام۔

اور ان کا نصاریٰ کے بار میں یہ کہنا کہ ظہور اسلام سے انہوں نے مسلمانوں میں اس عقیدے کو پھیلانے کی سعی کی ہے اس قول کا موازنہ اگر اس قول سے کیا جائے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تیس صحابہ کرامؓ کی زبان سے رسول اللہ

ﷺ سے بہت سی اسانید سے ثابت ہے جو صحاح ستہ، سنن، مسانید، جوامع اور دیگر مصنفات میں مذکور ہیں تو اس قول کے کہنے والے کے باطل میں غلو کا خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے، بھلا کیا مصطفٰی ﷺ ایسی بات فرما سکتے ہیں جو نصاری کہتے ہیں ؟اور کیا یہ ان کی شان کے مطابق ہے ؟ یا یہ سازش صحابہ کی شان کے مطابق ہے ؟ یا امت کے حفاظ اور ائمہ کے ؟ کہ وہ اس کو ٹھیک سمجھ کر اپنی کتابوں میں پچھلے زمانوں سے تواتر سے روایت کریں ؟ دین سے الگ ہو جانے اور چھوڑ دینے کے اس معاملہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور یہی صاحب فتویٰ کی حجت ہے۔

اور جو مصطفٰی ﷺ کے صحابہؓ کے بارے میں ایسی رائے رکھے اور ہر طبقہ میں سنن میں اس روایت کرنے والے راویوں کے بارے میں اور کتب حدیث میں جیسے صحاح و سنن و مسانید و جوامع و مصنفات اور کتب تفسیر میں روایت و درایت کے بارے میں اور تمام کتابوں کے بارے میں جو ایسی رائے رکھے تو اس نے دراصل اپنے ہی چہرے کو بے نقاب کیا ہے اور اس سے بحث کرنے کی کوئی گنجائش خود اس نے نہیں چھوڑی اور کاتب کے شیخ (جیسا کہ نہ تب قابل اتباع حجت تھے

اور نہ اب ہیں) کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے اب تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ کون ٹھیک راستے پر ہے

اور اس مسئلہ میں حق کو واضح کر دینے کیلئے اتنا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وسلامتی ہو سیدنا محمد ﷺ پر اور ان کی آل اور اصحاب پر۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اس تحریر کا اختتام بروز پیر 18 جمادی الاخریٰ 1362ھ کو ہوا

ترجمہ کا اختتام پیر کی رات 1:37 1442 کو مورخہ 24 مئی 2021 کو ہوا.

یارب لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك، اللهم انى احمدك بالمحامد التى صفتحها على محمد ﷺ حين يشفع اليك الخلائق يوم القيامة اللهم فشفعه فى اليوم كما تشفعه فينا يوم القيامة